نگار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

فہرست مضامین اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

ملاحظات		۲
فلسفہ مذہب	سید مقبول احمد بی اے	۹
چین کی ملکہ (فسانہ)	ممتاز اشرف قادری	۲۰
دنیا کی مشہور الہامی کتابوں پر تاریخی نظر	عبد المالک آروی	۲۷
زلزلۂ عشق (ڈراما)	واثق حسین	۴۴
خبطیوں کے قصے	فاروقی	۵۰
کلوخ انداز را پاداش سنگ ست (فسانہ)	قیسی رامپوری	۵۶
شمالی ہند اور دکن	عبد المنعم سعیدی بی اے	۶۶
تاریخ طبیعی کا ایک ورق		۷۸
دورِ انسانیت کا اک نیا عہد		۷۶
منظومات:-		
خواب نشاط	روش صدیقی	۸۱
نیند اڑانے والے	طالب باغپتی	۸۲
میلاد خیال	آمین حزیں	۸۳
بسنت کی آمد	جوش ملسیانی	۸۴
غزلیات:-		
ثاقب جالندھری و حبیب رامپوری		۸۵
صفی اورنگ آبادی و ضیا بدایونی		۸۶
ظفر سنبھلی و تہدی اجنالوی		۸۷
نظیر لودھیانوی		۸۸
باب الاستفسار		۸۹
معلومات		۹+۹۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۱۵	اپریل سنہ ۱۹۲۹ء	شمارہ ۴

ملاحظات

سب سے پہلا عملی قدم، جو حکومت برطانیہ و حکومت ہند نے اشتراکیت (Communism) کے خلاف اٹھایا ہے وہ گذشتہ ماہ کی گرفتاریاں ہیں جو ہندوستان کے ہر صوبہ میں بیک وقت عمل میں آئیں۔

میں اُن گرفتاریوں کے جزئیات سے بحث کرنا نہیں چاہتا کیونکہ ناظرین نگار، روزانہ اخبار کی وساطت ان کو معلوم کر چکے ہونگے بلکہ میں مختصراً یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اشتراکیت کیا چیز ہے، اسکی تاریخی قدامت کیا ہے اور یہ کہ ہندوستان یا کسی اور متمدن ملک میں اسکا رواج مناسب ہے یا نہیں۔ نگار کی اولین اشاعت میں، اس موضوع پر مَیں نے روشنی ڈالی تھی، اور اسوقت بھی بحالات موجودہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس یاد کو تازہ کیا جائے۔

کمیونزم (Communism) جسے سوشلزم (Socialism) بھی کہتے ہیں، اور جسکا ترجمہ اشتراکیت کیا جاتا ہے، اپنے لغوی معنے کے لحاظ سے نہایت دلکش چیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ، تمام افراد انسانی کا ہر چیز میں شریک رہنا، فطرت کے تمام انعامات سے یکساں طور پر فایدہ اٹھانا، جو مفہوم اشتراکیت کا ہے ایک ایسا دلچسپ مطالبہ ہے کہ کوئی شخص جو انسانیت اخوت عامہ اور امن عام کی حکومت دیکھنا چاہتا ہے وہ بغیر ایک لمحہ تامل کئے ہوئے اس مطالبہ کے استحسان پر

فتویٰ دیدیگا - لیکن جہانتک عمل کا تعلق ہے یعنی جس حد تک اشتراکیت کے قابل عمل و نفاذ پذیر ہونے کا واسطہ ہے، یہ مطالبہ اسقدر آسان و خوشنما نہیں اور زمانہ قدیم سے لیکر اسوقت تک جب کبھی اشتراکیت کا جذبہ دنیا میں پیدا ہوا، ہمیشہ اسکی مخالفت کیگئی اور کبھی اسکو کامیابی نہیں ہوئی۔

اشتراکیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک "اشتراکیت محض" دوسرے "اشتراکیت تعاون" اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ تمام افراد نسانی متاع عالم میں برابر کے شریک ہوجائیں اور دوسرے سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی تقسیم عمل کے ماتحت خدمات انجام دیں اور نفع میں سب کا حصہ برابر ہو۔ الغرض اس کا نصب العین یہ ہے کہ جمہور کی مدد سے افراد انسانی کی عام حالت درست کیجائے۔

اشتراکیت دنیا کا کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اس کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب سے ملوکیت یا تسلط کی بنیاد پڑی اور ہمیشہ یہی ہوا کہ جب اصحاب دولت یا سرمایہ داروں نے غریبوں پر ظلم شروع کیا، اشتراکی خیالات دنیا میں رونما ہونے لگے۔

یونان قدیم میں فالیاس کا اشتراکیت کو رواج دینا جس کے ذریعہ سے وہ تعلیم و معاشرت میں امیر و غریب دونوں کو دوش بدوش چلانا چاہتا تھا، تاریخ کا کھلا ہوا واقعہ ہے اور افلاطون کا یونانی جمہوریت کو ترتیب دینا جس میں زمین، عورت اور غلام کو مشترک ملکیت قرار دیا گیا تھا، اہل علم پر واضح ہے۔

قبل مسیح دوسری صدی میں اسرائیلیوں کی ایک جماعت جو فرقہ اسینیہ (Essenes) کے نام سے موسوم تھی بحر مردہ (Dead Sea) کے ساحل پر آباد تھی، ان کے ہاں بھی سب لوگ مال میں شریک تھے یہانتک کہ عورت کو بھی مال ہی سمجھا جاتا تھا اور وہ بھی مشترک چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہی حال ایک مسیحی جماعت کروکراٹیا نا کا تھا جو چھٹی صدی عیسوی میں معدوم ہوئی۔ ہالینڈ میں بھی متعدد جماعتیں اشتراکی اصول پر قایم ہوئیں جنمیں سے بہت زیادہ شہرت اس جماعت کو حاصل ہوئی جسے جرار گروٹے نے ۱۳۷۶ء میں قایم کیا تھا، دوسری صدی عیسوی میں ایک گروہ اڈمیٹا نمودار ہوا جو راستوں پر برہنہ پھرتا تھا اور عورت پر اس کے مشترکہ حقوق قایم تھے۔

جرمنی کے عہد اصلاح میں کاشتکاروں نے زمینداروں کو مجبور کیا کہ زمین میں انہیں برابر کا حصہ دیں، جسپر سخت خونریز لڑائی ہوئی جو "جنگ مزارعین" کے نام سے مشہور ہے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں کہ مسیحی جماعتوں نے مالداروں پر زور ڈالا کہ وہ اپنی دولت فقراء پر برابر تقسیم کردیں۔

الغرض ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اشتراکی خیالات پیدا ہوئے، دولت و حکومت نے انکا مقابلہ کیا اور اس تصادم نے دنیا میں بہت کچھ اضطراب پیدا کیا۔ اشتراکی اصول پر عہد وسطےٰ میں متعدد کتابیں بھی لکھیگئیں جنمیں سب سے زیادہ مشہور کتاب سار نومس مور کی ہے جو ۱۵۱۶ء میں طبع ہوئی تھی۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متمدن دنیا میں اشتراکی جماعت کی تعداد ہمیشہ بڑھتی ہی گئی اور حکومت اس کو

فنا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ فرانس میں بھی زمانۂ قدیم میں اصول اشتراکیت قایم ہوئے اور بابوف نے تو نظام حکومت الٹ دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اس کے متبعین میں اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ تحریک خود فنا ہو گئی۔

اٹھارویں صدی میں سان سیموں فرانسیسی نے ایک نیا مذہب نکالا جسے وہ نصرانیت جدید کہتا تھا اور اپنے اصول مخترعہ کے ذریعہ سے وہ عقاید مذہب و سیادت کی اصلاح کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور اس کے تلامذہ میں باہم اختلافات پیدا ہو جانے کی وجہ سے حکومت نے اس انتشار سے فایدہ اٹھایا اور انکی قوت کو فنا کر دیا۔ اس کے بعد شارل فوریہ (سنہ ۱۷۷۲ء تا ۱۸۳۷ء) کا ظہور ہوا۔ اسکا خیال تھا کہ ہیئت اجتماعی کی بنا دائمی ارتقاء پر ہے۔ جس زمانہ میں فوریہ اور اس کے مقلدین ہیئت اجتماعی کی اصلاح کرنا چاہتے تھے، ایک اور شخص لوئی بلان نے اس امر پر زور دیا کہ حکومت تعیین عمل اور تقسیم اجرت کو اپنے ہاتھ میں لے۔ چنانچہ حکومت کیطرف سے کارخانے قایم کئے گئے، حکومت ہی کی طرف سے اجرت پر مزدور رکھے گئے، مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور ملک میں صرف اک اشتراکی بغاوت پیدا ہو کر رہ گئی۔ برودان (سنہ ۱۸۰۹ء تا ۱۸۶۵ء) کا دستور العمل، لوئی کے خلاف تھا، وہ کہتا تھا کہ حکومت کو وضع قوانین کا اختیار نہیں ہے، انگلستان میں رابرٹ اوین (سنہ ۱۷۷۱ - ۱۸۹۵) نے اشتراکی خیالات کی اشاعت شروع کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے بعد بہت سی اشتراکی جماعتیں قایم ہوئیں جنکی تعداد ۱۲۰۸ تک پہونچتی ہے انمیں سب سے زیادہ کامیاب انجمن راشڈیل تھی۔ اس نے اسباب تجارت کا ایک عام و مشترک ذخیرہ فراہم کیا تھا، چند سال کے عرصہ میں اسنے غیر معمولی ترقی کر لی اور ہر قسم کی تجارت اس کے ہاتھ میں آ گئی مگر نتیجہ کے لحاظ سے یہ بھی بد قسمت ثابت ہوئی اور حکومت نے اس کو بھی فنا کر کے چھوڑا۔

اس وقت یوروپ و امریکہ، اور ایشیا میں بہت سی اشتراکی انجمنیں پائی جاتی ہیں اور اکثر "اشتراکیت تعاون" کے اصول پر قایم ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ کامیابی روس میں ہوئی اور اسی کی کامیابی نے روئے زمین میں پھر از سر نو اشتراکیت کے جراثیم پیدا کر دئے ہیں اور روز بروز انمیں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ چین کا موجودہ انقلاب اسی کا نتیجہ سمجھا جائیگا اور ہندوستان میں ایسی جماعتوں یا انجمنوں کا قایم ہو جانا بھی اسی کا پرتو ہے۔

ہمکو اسوقت تک تفصیلی علم اسکا حاصل نہیں ہے کہ ہندوستان کی اشتراکی جماعتیں کیا نظام حکومت قایم کرنا چاہتی ہیں اور وہ کیا مطالبہ ہے جسکی بناء پر حکومت ہند یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی کہ وہ ہندوستان کی حکومت سے ملک معظم کو محروم کرنا چاہتے ہیں۔ جس حد تک اس قانونی دفعہ کے الفاظ کا تعلق ہے یقیناً یہ الزام نہایت مہمل و لغو ہے، کیونکہ ملک معظم کو ہندوستان کی حکومت سے محروم کرنے کا خیال اسوقت پیدا ہو سکتا تھا جب ملک معظم کو ہندوستان کی حکومت پر کوئی اختیار حاصل ہوتا، اس لئے اگر الزام کوئی عاید ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ حکومت ہند کے موجودہ طرزِ عمل کو بدلنا چاہتی ہیں اور یہ خیال وہی ہے جسے کانگرس اور دوسری سیاسی جماعتیں تقریباً نصف صدی سے ظاہر کر رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں جتنے حضرات گرفتار ہوئے ہیں وہ سب براہ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی ایسی انجمن سے ضرور واسطہ

رکھتے ہیں جو کاشتکار یا مزدور جماعت سے متعلق ہے اور چونکہ کاشتکاروں کے حریف زمیندار اور مزدوروں کے حریف سرمایہ دار ہیں اسلئے اس میں تو کلام نہیں ہو سکتا کہ موجودہ عہد میں جبکہ معاشرت و معیشت کی سختیاں ناقابل برداشت حد تک پہونچگئی ہیں، ایسی انجمنیں جو مزدوروں اور کاشتکاروں کی حمایت کر رہی ہیں، سرمایہ داری و زمینداری کی بنیاد کو متزلزل کرنیوالی ہیں اور اگر اس سلسلہ میں ملک منظم کا اپنی مملکت سے محروم ہو جانا کوئی لازمی منطقی نتیجہ ہے تو بیشک قانون کی گرفت میں بھی ان کو آجانا چاہئے لیکن اگر ایسی جماعتیں صرف اصلاح عمال و مزارعین اپنا مقصد رکھتی ہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت کیوں دست اندازی کرے۔

میں اصول اشتراکیت کا حامی نہیں ہوں اور نہ اُسے افلاس کا مداوا سمجھتا ہوں، کیونکہ وہ میرے نزدیک اصول فطرت کے منافی ہے۔ لیکن میں یقیناً ہر اس تحریک کا طرفدار ہوں جو مزدوروں اور کاشتکاروں کے اصلاح و ترقی سے متعلق ہے، کیونکہ ایک ملک کی حقیقی ترقی اس کے طبقہ ادنیٰ کی ترقی ہے، جس سے غالباً حکومت کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اشتراکیت صحیح معنے میں اس فرق مراتب و توازن کو محو کرنیوالی چیز ہے جو خود فطرت نے ذہن و دماغ کی ساخت میں ملحوظ رکھا ہے اور اس لئے ابتک اس کو کامیابی نہیں ہوئی اور جب کبھی اسکا ظہور ہوا دوسری مخالف قوتوں نے اسے فنا کر دیا۔ روس کی آزادی بھی حقیقتاً اشتراکیت کی کامیابی نہیں ہے اور نہ صحیح معنے میں اسکا وجود وہاں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں موجودہ حکومت کی صورت صرف مجلس عمال کا اقتدار ہے جسکو معیشت و معاشرت میں اشتراک عام پیدا کرنے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اسمیں کوئی کامیابی اسوقت تک ہوئی ہے۔ عوام میں بیداری بیشک پیدا ہو گئی ہے اور یہی اصل راز ملک و قوم کی ترقی کا ہے۔

اس لئے اگر کوئی جماعت ہندوستان میں بھی اس مقصد کو لیکر اٹھتی ہے تو ہر شخص کو اس کے ساتھ ہمدردی ہونا چاہئے، لیکن اگر اسکا مدعا اشتراکیت کا نام لیکر صرف اضطراب پیدا کرنا ہے تو بیشک ہمکو اس کے تعاون سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے سوائے نقصان کے کسی فائدہ کی توقع نہیں۔

ہمکو نہیں معلوم کہ اس جماعت کے خلاف میرٹھ کے مجسٹریٹ کے پاس کیا شہادتیں موجود ہیں اور وہ کونسا لٹریچر بالیاد مہیا ہوا ہے جس کی بنا پر ان کو اشتراکی جماعت سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جہانتک خیال کیا جاتا ہے، ہندوستان کی ان غریب انجمنوں کو قیام "اشتراکیت" کا بانی بتانا بالکل ویسا ہی اتہام ہے جیسے حکومت ہند کے متعلق ہمارے ایک دوست کا یہ کہنا کہ اس سے زیادہ باعث رحمت طریق حکمرانی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

افغانستان کے متعلق ابتدار انقلاب سے اسقدر عجیب و غریب اور متضاد خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ بہترین طریق کار یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو غلط سمجھ کر صرف نتیجہ کا انتظار کیا جائے، چنانچہ بعض سنجیدہ اخباروں نے یہ دیکھ کر کہ پشاور اور لاہور میں افغانستان کے متعلق خبریں گڑھنے کے دار الضرب قایم ہو گئے ہیں، بہت کم خبریں دینا شروع کر دی ہیں،

لیکن یہ یقینی ہے کہ ان خبروں سے لوگوں کی عام ذہنیت کا ضرور پتہ چلتا ہے اور اب نہ ماننے والوں نے بھی اسے مان لیا ہے کہ ردّ عمل امیر امان اللہ خاں کے حق میں ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ بچہ سقہ کی حکومت بالکل عارضی ہے اور کم از کم یہ یقینی طور پر طے پا گیا ہے کہ افغانوں کی غیور قوم بچہ سقہ کی حکومت کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتی۔ جنرل نادر خاں کا اسکو لکھ بھیجنا کہ عنان حکومت لینے میں اُس نے سخت غلطی کی ہے اور وہ ہرگز اسکا اہل نہیں ہے گویا اس فیصلہ پر ایک مہر توثیق ثبت کر دینا ہے جس کے خلاف اب کہنے سننے کا کوئی موقعہ ہی حاصل نہیں رہا۔ رہا یہ امر کہ مختلف جرگوں کا اجتماع کیا فیصلہ کریگا اور کس کو اپنا حکمراں منتخب کریگا ہنوز مستقبل کی تاریکی میں ہے اور اسی پر افغانستان کی سیاسیات آیندہ کا بہت کچھ انحصار ہے۔

ہر چند بعض قبایل امیر امان اللہ خاں کے طرفدار ہو گئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اسوقت تک اکثر قبایل ایسے ہیں جو امیر امان اللہ خاں کو کافر ہی سمجھتے ہیں اور کسی طرح راضی نہیں ہوتے کہ پھر اس مشرک و کافر کی حکومت کو قبول کریں۔ اسلئے جرگوں کے اجتماع سے کسی قابل اطمینان نتیجہ پر پہونچنا اسقدر آسان امر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کوئی قطعی فیصلہ کر بھی دیں تو اسکی کیا ذمہ داری ہے کہ آیندہ مخالف قبایل یا خود امیر امان اللہ خاں خاموش بیٹھے رہیں گے۔ قبایل میں اس نوع کی برہمی تاریخ افغانستان کا کوئی جدید واقعہ نہیں ہے، اس سے قبل بارہا حکومت کے خلاف شورشیں پیدا ہوئیں اور مٹتی رہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس شورش کا رنگ زیادہ تر مذہبی ہے اور اس لئے اسکو پوری طرح دبا دینا طویل زمانہ چاہتا ہے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کے عہد میں بھی بالکل اسی شدت کا انقلاب رونما ہوا تھا اور وہ بھی تخت سے علحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے، لیکن اُن کے عزم ملوکانہ نے تمام مصائب و شدائد برداشت کر کے پھر اپنی متاع از دست رفتہ کو حاصل کیا اور عرصہ تک نہایت کامیاب حکومت کی۔ اس لئے اگر قبایل کا فیصلہ امیر امان اللہ خاں کے خلاف ہو تو بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے دادا کی پیروی نہ کریں گے اور خاموشی کے ساتھ ہتھیار ڈالکر یوروپ کے کسی ہوٹل میں جا کر قیام کر لیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ بصورت جنگ امیر امان اللہ خاں کو جو دشواریاں پیش آئیں گی وہ سامان حرب اور روپیہ کی کمی سے پیش آئنگی کیونکہ نہ ذخیرۂ جنگ ان کے پاس ہے نہ خزانہ لیکن یہ کوئی ایسی زبردست دلیل نہیں جو امیر امان اللہ خاں کی کامیابی کیطرف سے مایوس کر دے، کیونکہ اول تو جنگ کی کامیابی کا انحصار فوج کی اخلاقی حالت پر ہوا کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ ان ذرایع کی ہمکو کیا خبر ہو سکتی ہے جو انہیں حاصل ہیں۔ بہرحال اس وقت حالات امید افزا ہیں اور آیندہ ماہ تک وضاحت کے ساتھ معلوم ہو سکے گا کہ ہوا کا رخ کیا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں جو اضطراب پیدا ہے، وہ بالکل قدرتی امر ہے اور گو امیر امان اللہ خاں اپنے ملک کے بعض قبایل کے نزدیک مردود ہیں، لیکن انہیں شکر ادا کرنا چاہئے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم ان کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور انکی کامیابی کا دل سے آرزمند ہے۔

بعض جرمن افسروں کی زبانی جو کابل میں متعین تھے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے جو سب سے پہلے ہم نے ظاہر کیا تھا

کہ امیر امان اللہ خاں کے زوال کے دیگر اسباب میں ایک قوی سبب وزراء وعمال کی نااہلیت وغداری بھی ہے جس کا علم خود امیر کو بھی ہو چکا ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ آئندہ وہ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھینگے اور اس دوران میں بھی وہ ہر شخص کو اپنا دوست سمجھنے سے احتراز کریں گے۔

کابل سے جو خبریں آرہی ہیں انسے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ سقہ کے فوج کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی ہے اور وہ موجودہ طریق حرب ودفاع سے بالکل ناواقف ہے۔ دولتمند تاجروں سے روپیہ وصول کرنے کیلئے سختیاں کیجارہی ہیں اور اب ہر شخص درانی کو یاد کر رہا ہے۔ جلال آباد بدستور تباہ وبرباد حالت میں پڑا ہوا ہے اور سارا ملک اسوقت عالم احتضار میں ہے۔ یہ احساس بھی بجائے خود امیر امان اللہ خاں کے لئے بہت مفید ہے اور وہ غالباً ناواقف نہ ہونگے کہ لوگوں کے احساس سے کیونکر عملی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جنوری ۲۹ء کا نگار دیکھ کر ایک خاتون نے جو حکیم مومن خاں مرحوم کے نواسہ کی بیٹی ہیں، بعض غلطیوں کے اوپر ہمکو متنبہ کیا ہے ہم شکریہ کیساتھ انکی تحریر یہاں درج کرتے ہیں اور مستدعی ہیں کہ اگر انکو اور حالات مومن خاں مرحوم کے ایسے معلوم ہوں جو اسوقت تک پبلک میں نہیں آئے تو تحریر فرمائیں کیونکہ یہ بہترین ادبی خدمت ہے۔ خاتون محترم لکھتی ہیں:-

"حکیم مومن خاں صاحب قبلہ کے حالات جو سید امتیاز احمد صاحب بی اے علیگ نے لکھے ہیں میں انکی تعریف نہیں کر سکتی، مگر اسقدر عرض کئے بغیر نہیں رہسکتی کہ مومن خاں مرحوم کی جن صاحبزادی کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ چار سال کی عمر میں انتقال کر گئیں، درست نہیں ہے حکیم مومن مرحوم کی یہ صاحبزادی مولوی عبدالغنی مرحوم وکیل سیتاپور کو منسوب تھیں جو مولانا محمد فصیح صاحب غازیپوری کے بھتیجے تھے۔ ان صاحبزادی سے میرے والد محمد ناصر حبیب صاحب پیدا ہوئے جو بحمد اللہ اسوقت تک زندہ ہیں۔ یہ وہی صاحبزادی تھیں جنکی تاریخ خان مبرور نے

نال کٹنے کیساتھ ہاتف نے
کہی تاریخ دختر مومن

کہی تھی۔ سید وحید الدین بیخود دہلوی اور سید جلال الدین دہلوی جو چوڑی والوں میں رہتے ہیں اور سید ناصر نذیر فراق دہلوی یہ سب میرے والد کے رشتہ دار ہیں۔ اور میرے والد انہی صاحبزادی کی اولاد ہیں جو خواجہ میر درد کے خاندان سے تھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ میر حسن تسکین شاگرد ہونے کے علاوہ حضرت مومن کے سمدھی بھی تھے۔ انکے صاحبزادہ میر عبدالرحمن آہو تھے جنکی ایک صاحبزادی میاں کالے صاحب کے گھرانے میں سیف الدین صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین صاحب اورنگ آبادی سے منسوب تھیں۔

مومن مرحوم کے صاحبزادہ خواجہ احمد نصیر صاحب، میرے والد کے حقیقی ماموں تھے جنہوں نے اپنے بعد دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی۔ (کنیز فاطمہ)

حال میں لکھنؤ سے دو ادبی رسالے "عالم شہود" میں آئے ہیں۔ ایک رسالہ جسکا نام مبصر ہے، یہاں کی مشہور انجمن مشاعرہ (معراج الادب) کا آرگن ہے اور جناب حکیم ابو العلاء الناطق لکھنوی کی اڈیٹری میں جاری ہوا ہے۔

جناب ناطق لکھنوی، ملک کے اچھے شعراء، قابل ادباء اور اہل علم حضرات میں شمار کئے جاتے ہیں اور اگر انکی چہار ترکی کلاہ

صرف "ذوق لباس" کا نتیجہ نہیں تو کہنا چاہئے کہ وہ اہل تصوف میں بھی ایک "سجادہ نشینانہ" شکل و شمایل رکھتے ہیں، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اسوقت تک مبصر کا ایک رسالہ بھی ایسا نہیں نکلا جسے ہم حکیم صاحب سے منسوب کرکے خوش ہوسکیں جسوقت ہماری نگاہ "العلم" پر جاتی ہے جو بہت عرصہ ہوا حکیم صاحب کی ادارت میں کانپور سے جاری ہوا تھا تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ اس کے بلند علمی معیار کے سامنے مبصر کو کیا سمجھیں اور کیونکر یقین کریں کہ حکیم صاحب مبصر کی ادارت میں واقعی بالکل آزاد چھوڑ دئیے گئے ہیں۔ اس وقت تو ایسے رسایل و جراید کی ضرورت ہے جو لکھنؤ و غیر لکھنؤ کی خلیج کو محو کردیں نہ کہ اس میں اور وسعت پیدا کردیں۔ حصول قابلیت کیلئے، زباندانی کیلئے، کسب علم و فضل کیلئے اور دنیا میں کچھ کام کرنے کیلئے، کرۂ ارض کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کیجئے جو نظام شمسی کا نہایت ہی چھوٹا سیارہ ہونیکی حیثیت سے تقسیم و تفریق اور تحلیل و تجزیہ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ لکھنؤ اور لکھنؤ سے باہر جہاں بھی فضل و کمال نظر آئے اسکی قدر کرنا چاہئے اور اس بحث و نزاع میں وقت نہ ضایع کرنا چاہئے کہ حقیقتاً اہل زبان کون ہے۔ کیونکہ جس کے منہ میں زبان ہے وہی اہل زبان ہوسکتا ہے، گو لکھنوی زبان کی لذت سے اسکا ذہن آشنا ہو۔ اس قسم کے مضامین ہمیشہ نہایت سطحی ذہنیت کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں اور انکو رواج دینا ملک میں کوئی وقار نہیں پیدا کرسکتا۔ اگر حکیم صاحب مجبور ہیں اسلئے کہ یہ پیشہ ور شاعروں کی "مشاعرہ ساز" انجمن کا رسالہ ہے اور اسکے اجرا کی غایت ہی یہ ہے تو میں حکیم صاحب کو مشورہ دونگا کہ اولین فرصت میں اس سے علٰحدہ ہوجائیں، اگر وہ رسالہ کی موجودہ پالیسی کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ادب کی خدمت صرف نکتہ چینی سے نہیں بلکہ "نکتہ رسی" سے بھی ہوسکتی ہے۔ نمونہ منیجر مبصر وکٹوریہ اسٹریٹ سے ملسکتا ہے۔

دوسرا رسالہ "خضر راہ" ہے، جسکے نام کی "کہنگی و فرسودگی" دیکھتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کارکن نوجوان ہونگے۔ ہر چند "دار العلوم ندوہ" کے موجودہ عہد کے طلبہ نے، جنکے ہاں شباب کا مفہوم "نگاہ کر لینا" سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا، کبھی جوانی کا دعوی نہیں کیا، لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس کلیہ کو بھی غلط ثابت کردیا کہ "جب انسان عمل کے لحاظ سے مجبور ہوتا ہے تو زبان خوب چلنے لگتی ہے"۔ بہرحال رسالہ نہایت سنجیدہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ علمی ذوق رکھنے والوں نے اسے مرتب کیا ہے۔ اخیر میں "نظر بد دور" ایک فسانہ بھی ہے اور تفریح کے چند گھنٹے کے عنوان سے "فکاہات" بھی شامل ہیں، ایک دو نظمیں اور غزلیں بھی ہیں، لیکن سب اچھے معیار کی، زبانی گفتگو سے معلوم ہوا کہ آیندہ اشاعتوں میں زیادہ دلچسپ تبدیلیاں پیدا کیجائینگی لیکن اگر یہ نہ ہو، تو بھی سوائے نام کے کہ "خرافاتی" بھی ہے اور غیر شاعرانہ بھی مجھے رسالہ کی موجودہ ترتیب و تہذیب بھی پسند ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اہل علم طبقہ میں اسکو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ نمونہ منیجر خضر راہ محلہ نیا گاؤں۔ لکھنؤ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

امسال موسم گرما بہت خطرناک نظر آرہا ہے کیونکہ ابھی مارچ کا مہینہ ختم نہیں ہوا ہے اور رات کو بھی گاہے گاہے پنکھے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر رفتار یونہی رہی تو اسکے شباب دیکھنے کی تاب لانا کم از کم میرے بس کی بات تو ہے نہیں، ارادہ کر رہا ہوں (جو یقیناً پورا ہوگا) کہ شدید گرما کے دو مہینے کشمیر میں بسر کروں، کہ دنیا کی کوئی مصیبت گرمی سے میرے توازن عقل و دماغ کو غارت کرنیوالی نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ اطلاع دینا اسلئے ضروری ہے کہ ناظرین نگار میں سے بھی ہر شخص اپنی اپنی جگہ مطلع ہوجائے کہ وہ موسم آگیا ہے جب میں بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ:-

دورِ مجنوں (دیوانہ ؟) گزشت و نوبت ماست

نیاز

فلسفۂ مذہب

(بہ سلسلہ ماسبق)

نماز نماز عجمی لفظ ہے اور اس کے ہم معنی و مشابہ سنسکرت کا لفظ نمستے ہے۔ عربی میں اسکو صلوٰۃ کہتے ہیں اور انگریزی میں پریئر (Prayer) جو لاطینی لفظ پریکاری (Precaris) سے ماخوذ ہے اور جسکے معنی عاجزی کرنے کے ہیں صلوٰۃ کے لفظی معنی "سرینوں کا ملانا" ہے اور شاید یہ عربوں کی اصطلاح میں عاجزی کرنے کے مترادف ہو۔ نماز کا مفہوم بھی غالباً وہی ہے جو نمستے کا ہے۔ جو ہمارے بعض برادران وطن آداب و تسلیمات کی جگہ آپس میں استعمال کرتے ہیں اور اس سے بھی انسان کی اس خاص حالت کا اظہار مقصود ہے جو خشیت و تضرع کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کے مذاہب خواہ وہ الہامی ہوں یا ادہامی سب میں کسی نہ کسی صورت سے یہ طریقہ عبادت کا پایا جاتا ہے۔ بلکہ مذاہب سامیہ میں اور خصوصاً اسلام میں تو نماز دین کا رکن عظیم ہے۔ اور ہر بالغ مومن پر اوقات معینہ میں نماز کا ادا کرنا فرض ہے۔ نماز کا اصل مقصد یہ ہے کہ اپنے معبود کے آگے اپنی خیر و عافیت کے لئے اس سے مدد مانگی جائے اور اس کے ساتھ اس کی عظمت اور بڑائی کا اقرار کیا جائے۔ اور زبان سے جو الفاظ ادا کئے جائیں اس کے ساتھ اپنے اعضاء کو ایک خاص معمول کا پابند کیا جائے۔ جو عام طور سے حسب ذیل حرکات پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱۔ خاموشی کے ساتھ ہاتھ باندھ کر یا ہاتھ کھول کر کھڑے رہنا۔ ۲۔ گھٹنے ٹیک کر یا بغیر گھٹنے ٹیکے اپنے کو جھکانا ۳۔ سجدہ کرنا۔ ۴۔ خاموشی سے سر جھکا کر یا ایک خاص وضع سے بیٹھنا۔ ۵۔ بابرکت چیزوں یا معبود کی تمثالی صورت کو بوسہ دینا یا پیشانی رگڑنا۔ ۶۔ ایسی چیزوں کے گرد پھرنا۔ نماز کا ابتدائی مدعا تو در اصل وہی تھا جو قربانی اور بخور کا تھا۔ گویا یہ دیوتاؤں کو خوش کرنے کی تیسری ارتقائی صورت تھی۔ ہراس موت کے فطری حاسہ نے انسان کو اس چیز کے آگے جس سے وہ خوف کھاتا تھا گڑگڑانے اور عاجزی کرنے پر آمادہ کیا تاکہ وہ اس پر رحم کرکے اس کی جان نہ لے۔ اسی سلسلہ میں جب انسان بخور قربانی اور عاجزی کے بعد بھی خونخوار دیوتاؤں کو قابو میں نہ لا سکا تو بعض اوقات وہ ایسے موثر الفاظ بار بار دہرانے لگا جو اپنے ساحرانہ اثر سے ان کی خونخواری اور ایذا کو لطف و رحم سے بدل دیں۔ یہ تو ان اقوام وحشیہ کی نماز کا مقصد تھا جنھوں نے خدا اور اس کی صفات کو نہیں پہچانا۔ مگر اسلام میں نماز کا مقصد کیا ہے۔ اگر اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ خدا ہمارے ان حرکات سے خوش ہو کر ہم پر رحم کرے تو یہ خیالات جاہلیت کے خیالات سے زیادہ فرق نہیں رکھتے۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ قرآن سے نماز کا کیا مقصد ثابت ہوتا ہے قرآن شریف میں ہے۔ "ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر" یعنی نماز کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہم کو برائی اور بدیوں سے بچائے ورنہ "اِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" خدا کو تمھاری عاجزی اور عبادت کی مطلق ضرورت نہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ نماز پڑھنے سے ہم کیونکر بدکاریوں اور برائیوں سے بچائے جا سکتے ہیں کیونکہ بادی النظر میں انسان

عمل و ارادے انسان کے اس فعل پر موقوف نہیں تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ نماز کے وقت جب انسان کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس وقت کم سے کم یہ خیال اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے آگے دست بستہ کھڑا ہو رہا ہے جو رب العالمین و مالک یوم الدین ہے۔ دل میں کئی بار اس یاد ربانی سے بہ اصول نفسیات یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت اور خشیت ہر وقت ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہے۔ اور ہم اس بات کو فراموش نہیں کر سکتے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں اس کا دیکھنے والا ایک خدا موجود ہے جس کے سامنے وہ اپنے ہر ایک کام کا جواب دہ ہے ۔ تو ہمارا مقصد در اصل اس ذہنیت کا پیدا کرنا ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ کسی وقت نماز نہیں پڑھتے اُن کے دل سے خدا کی ہستی کا اعتراف تقریباً محو ہو جاتا ہے اور وہ بے باکی سے ہر کام کو اس طرح کرنے لگتے ہیں گویا خدا کا کوئی وجود نہیں ہے ۔ دن پھر دنیاوی زق زق بق بق میں انکا دل اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ آخر میں وہ عام اخلاقی اعمال سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کے ذہن میں خدا کا محض ایک فلسفیانہ تخیل رہ جاتا ہے اور وہ الہیات کے ماتحت جیسے اسٹوئک فلاسفہ اور ارسطو نے الہیات معاشرت سے تعبیر کیا ہے وجود معطل ہو جاتا ہے۔

اس لئے ضرور ہے کہ انسان اپنے کاموں سے تھوڑا وقت نکال کر دن رات میں کئی بار خدا کی یاد کرے اور اسی میں اس کی فلاح ہے۔ اور چونکہ نفسیات کا یہ بھی قول ہے کہ خیال کی یکسوئی ہمیشہ کچھ نہ کچھ حرکات جسمانی سے ہوتی ہے (مثلاً جیسا میں خود جب کسی مضمون کو سوچنے لگتا ہوں تو اکثر ٹہلنے لگتا ہوں۔ یا سگریٹ پینے لگتا ہوں) اس لئے نماز میں جسم کو ایسی حرکت دینا جو ایک ہی وقت میں یکسوئی کا باعث بھی ہو اور انسان میں عجز و فروتنی پیدا کرے ——————— ضروری ہے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر یکسوئی اور دل کی رقت پیدا کرنے کے لئے خوش الحانی کی مناجات یا موسیقی کو روا کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو۔

یکسوئی کی ایک صورت قدیم مذاہب میں یہ بھی تھی کہ وہ اپنے سامنے اپنے معبود کی ایک تمثالی صورت رکھ لیتے تھے اور اس کے آگے مراقب ہوتے تھے۔ مگر از بسکہ یہ تمثالی صورتیں خود خدا کی تو ہوتی نہیں اور انسان ایسی عادت سے رفتہ رفتہ خدا کو اس تمثال کا نمونہ سمجھنے لگتا ہے۔ اسلام میں سامنے کسی تمثالی رکھنے کی سخت ممانعت ہے۔ البتہ اس کی جگہ قبلہ رخ ہونے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد وہی ہے۔

روزہ روزہ یا "صوم" بھی تقریباً تمام مذاہب کا معمول رہا ہے۔ اگرچہ اس کے طریقوں اور مقاصد میں اختلاف ہو۔ شاید کنفوشیس کے مذہب میں روزہ رکھنے کا حکم نہیں پایا جاتا ورنہ کیا الہامی کیا اوہامی غرض جتنے مذاہب ہیں، ان میں روزہ ایک فریضۂ مذہبی سمجھا گیا ہے حتیٰ کہ مذہب زردشت میں جس کے متعلق عام طور سے خیال ہے کہ اس میں روزے کا حکم نہیں ہے۔ اس میں بھی کم سے کم موبدان کو سال میں پانچ[له] بار روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ مذہب میں اس کی ابتدا کیونکر ہوئی اسکا

له مجوس میں نماز کے اوقات بھی پانچ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ کا عدد مجوس میں کیوں اس قدر محبوب ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مجوس عناصر اربعہ اور نیر ان کو مانتے تھے اور اُن کا مجموعہ پانچ اُن کے لئے بابرکت عدد سمجھا گیا ہو۔ اس اثر سے شیعیان علی نے جو مجوس کے براہ راست

پتہ چلانا مشکل ہے۔ صوم عربی زبان میں صم سے نکلا ہے جس کے معنی چپ رہنے کے ہیں اور مذاہب سامیہ میں ایک قسم کا روزہ چپ رہنے کا تھا جیسا قرآن میں بھی ذکر ہے۔ انگریزی کا لفظ فاسٹنگ (Fasting) قدیم جرمنی زبان فاستنجان ( ) سے نکلا ہے اور لاطینی میں اس کو ججونا ری (jejunaria) کہتے ہیں۔ روزہ عجمی زبان کا لفظ ہے مگر مجھے علم نہیں کہ اس کے لفظی معنے کیا ہیں۔ بہر حال کچھ بھی ہو۔ روزہ رکھنے کی عام تعریف یہ ہے کہ وقت مقررہ کے اندر جو اکثر صبح سے شام تک ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے (اور اسلام میں مباشرت سے) قطعی یا ایک حد تک پرہیز کیا جائے۔ فلسفی ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spenser) نے بعض اقوام وحشیہ کی عادات مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاید روزہ کی ابتدا یوں ہوئی ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کو غذا پہونچانے کے خیال سے اس کے پس ماندگان اپنا کھانا پینا وقت معینہ کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس کے بعد روزہ قربانی کا لازمی نتیجہ قرار دیا گیا اور رفتہ رفتہ اصل غایت روزہ کی فراموش ہوگئی۔ لیکن اسپنسر کا نظریہ یوں معقول نہیں کہ عموماً اقوام وحشیہ میں روزہ موت اور قربانی کے بعد نہیں بلکہ اس کے پہلے رکھے جانے کا رواج ملتا ہے اور اس لئے اسپنسر کو خود اپنی اس توجیہ پر اطمینان نہیں اور آخر میں جب اس کو کوئی غایت نہ معلوم ہو سکی تو اس کو اقرار کرنا پڑا کہ روزہ کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں مثلاً طبی خیال سے محض صحت جسمانی کو برقرار رکھنے کے لئے یا اپنے ابنائے جنس سے ہمدردی کا احساس پیدا کرنے کے لئے کہ بھوک کی تکلیف کو عملاً معلوم کیا جائے جو ایک بھوکے اور غریب انسان پر گزرتی ہے اور اس طرح اس کی امداد کی طرف انسان مائل ہو۔ یا یہ ہو کہ بعض قومی یا ذاتی آلام ومصائب میں کھانا پینا چھوٹ گیا ہو اور اس کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے ایک مقررہ دن روزے کا تعین ہو گیا ہو۔ اور ایک توجیہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کا وہی خوف یعنی ہراس موت جس نے اس کو قربانی پر مجبور اور عاجزی پر آمادہ کیا۔ روزہ کو اس نیت سے رکھا یا ہو کہ وہ اپنے خونخوار معبودوں کو دھوکا دے سکے کہ وہ کمزور ونحیف ہے اور اس کی جان لینے سے معبودوں کو کوئی اچھی غذا بہم نہ پہونچے گی۔ ای بی ٹائلر (E. B Tyler) کا خیال ہے کہ اس کی ابتدا غالباً اس خیال سے ہوئی کہ بھوکے رہنے سے انسان کے اعصاب

متوارث ہیں پنجتن پاک بنالیا ہے اور بجائے یزدان اور عناصر اربعہ کے آنحضرت۔ فاطمہ۔ علی حسن وحسین کو شامل کر دیا مسلمانوں میں بھی عام طور سے نماز کے پانچ اوقات فرض کر لئے گئے ہیں جس پر میرے اور لائق اڈیٹر نگار کی ایک بحث بھی ہو چکی ہے۔ اور اڈیٹر نگار کو آخر میں تسلیم کرنا پڑا کہ نماز کے اوقات قرآن کے نص قطعی سے تین وقت کے ثابت ہیں گو وہ اس بات سے متفق نہیں کہ نماز کے پانچ اوقات مجوس کے مقابلہ میں بنائے گئے ہیں۔ خیر یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ نماز جس قدر پڑھی جائے اتنا ہی بہتر ہو میرے پیش نظر وہ وقت تھا جب کہ اسلام قومی مذاہب سے علیحدہ ہو کر عمومیت کے ساتھ یوروپ اور امریکہ میں تبلیغ کیا جائیگا اور یوروپ وامریکہ کے لوگوں کے مشاغل اور عادات اُن کو تین سے زائد نماز پڑھنے میں مانع رہینگے اور نہ بیکاروں کے لئے جیسے ہم لوگ ہیں پانچ کیا دس وقت کی نماز پڑھنا بہتر ہے یا جو لوگ دن بھر کچہریوں میں کام کرتے ہیں اور شام کو گھر آتے ہیں اور پھر غروب آفتاب تک باہر تفریح کی ضرورت سمجھتے ہیں انکو میں یہی صلاح دونگا کہ وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نماز جمع کر کے پڑھ لیا کریں جو آنحضرت کا طریق عبادت تھا۔ س۔ م۔ ا۔

ایک ایسا اثر پڑتا ہے جس سے وہ روحانیت کا مشاہدہ بہتر صورت سے کر سکتا ہے۔ یا جیسا امام غزالی کا خیال ہے کہ روزہ کا مقصد وہی ہے جو سعدی شیرازی نے اپنے اس لطیف شعر میں بیان کیا ہے۔

اندروں از طعام خالی دار تا درو نور معرفت بینی

اور جو نہایت مقبولِ عام خیال ہے۔ مذہباً اصل وجہ روزہ رکھنے کی خواہ کچھ ہو۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کی قوموں نے اس کو بھی ایک طریقۂ عبادت سمجھا ہے اور اس پر عامل رہے ہیں حتیٰ کہ دنیا کے اعلیٰ مذاہب خصوصاً اسلام نے روزہ رکھنا فرض مذہبی تصور کر کے اس کی سخت تاکید کی ہے۔ برہمنوں نے چاند نکلنے اور چاند کے کامل ہونے کے گیارھویں روز ساٹھ گھنٹہ تک ہر چیز سے پرہیز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ہر سال نومبر کے مہینے میں سوموار کے روز برت رکھنے کا حکم ہے۔ قدیم مصریوں میں بقول ہیرڈوٹس ائی سس (9sis) دیوتا کے جشن مولود میں روزہ رکھا جاتا تھا۔ یونانیوں میں بعض مذہبی رسوم کے سلسلے میں بالخصوص عورتوں کو تین دن روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ لیوی (Levy) قدیم مورخ روم نے بھی روزہ رکھنے کی رسم کا ذکر اپنی قوم میں کیا ہے۔ مگر اس سے یہ بات صاف معلوم نہیں ہوتی کہ عوام و خواص سب روزہ رکھتے تھے یا محض مندر کے پروہت۔ یہودیوں میں سالانہ ایک دن روزہ رکھنے کا حکم ہے جو ایام تشرین یعنی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو مقرر ہے۔ شریعت یہود میں جیسا کتاب استثناء کے ابواب ۱۶ (آیات ۲۹ تا ۳۴) ۲۳ (آیات ۲۷ تا ۳۲) اور کتاب اعداد باب ۱۹ (آیات ۷ تا ۱۱) سے ظاہر ہوتا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ اس دن یہودیوں پر روزہ رکھنا کیوں فرض ہوا تھا۔ ابن عباس کی طرف سے ایک قول حدیثوں میں نقل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جب ہجرت کی تو آپ نے یہودیوں کو محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ کے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس دن حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلے تھے۔ مگر یہ حدیث اس وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہے کہ خود موجودہ یہود میں اس کی غایت پر اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن عباس کا قول مرفوع یا سند نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ سال ہجرت میں پیدا ہوئے ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ روزہ یہودیوں کے سالانہ عید سے پہلے ہوا کرتا تھا تاکہ لوگ اپنے گناہوں کا کفارہ دیکر خوشیاں منائیں۔ یہود کی شریعت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں ایام سبت کو روزہ رکھنا منع تھا۔ اور کتاب اعداد کے تیئسویں باب کے ۱۴ آیت میں لکھا ہے کہ اگر عورت اپنی روح کو ایذا دے (یعنی روزہ رکھے) تو اس کے شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اس روزے کو تڑوا دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علاوہ سالانہ روزے کے یہودیوں میں اور بھی نفل روزے رکھے جاتے تھے اور خصوصاً بعض قومی میلوں یا عید کے زمانے میں اسارت بابل کے زمانے میں اور اس کے بعد تو یہودیوں میں روزے رکھنا ان ایام صعوبت کی یاد تازہ کرنے کے لئے کثرت سے ہوا کیا ہے اور انبیاء اسرائیل کے نوشتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک روزہ دسویں۔ چوتھے یا پانچویں۔ اور ساتویں مہینوں میں القدس کے محاصرہ و تباہی کی یاد میں رکھے جاتے تھے۔

اگرچہ موجودہ اناجیل سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت مسیح نے روزے کا حکم خاص کر کے اپنے متبعین کو دیا ہو لیکن خود مسیح نے

روزے کی جو تاویل اپنے مشہور وعظ کوہی میں کی ہے اور شیطان کی آزمائش کے دوران میں چالیس روز کا خود روزہ رکھا ہے اور فریسیوں کے اعتراض پر کہ آپ کے حواری اکثر روزے کیوں نہیں رکھتے حضرت مسیح کا یہ جواب دینا کہ روزے ایام خوشی میں جبکہ وہ خود موجود ہیں کیوں رکھے جائیں یہ سب اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ازبسکہ حضرت مسیح خود کسی شریعت کے موجد نہ تھے خود ان کا اور اُن کے متبعین کا عمل یہود کی شریعت پر تھا جیسا کتاب اعمال الرسل کے ابواب سترہ اور تیرہ سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ سوائے پروٹسٹنٹ کے مسیحیت کے دوسرے کلیساؤں میں روزہ رکھنا ایک فرض دینی سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ازمنہ وسطےٰ میں اگر روزے کے ایام میں کوئی گوشت کھالے تو وہ کبھی قتل کردیا جاتا اور کبھی اس کے دانت توڑ دئے جاتے تھے۔ یہودیوں میں بھی فرض روزہ نہ رکھنے کی سزا قتل تھی۔ (مسیحیت میں روزے کی زیادہ وضاحت کے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا دیکھو)

اسلام میں بھی روزہ ایک فرض مذہبی ہے اور روزے کا فرض مذہبی ہونا علاوہ دوسرے مقاصد کے اس حیثیت سے بھی ضروری تھا کہ مسلمانوں کو جفاکشی کی تعلیم و مشق کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ چنانچہ روزہ کا حکم قرآن کے سورۃ بقر کے رکوع ۲۲ میں بصراحت موجود ہے یعنی۔ یا ایہا الذین آمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔ ایاماً معدودات فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اُخر و علی الذین یطیقونہ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ و ان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینٰت من الھدیٰ و الفرقان فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ و من کان مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اُخر۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تمہارے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم نیک بنو گنتی کے چند روز ہیں۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں اس کا بدل رکھ لے اور جو لوگ تم میں سے استطاعت رکھتے ہیں وہ مساکین کو کھانا کھلادیں اور جو کچھ نیکی تم اپنی خوشی سے کروگے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر روزہ بھی رکھو وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ اگر تم اس کی مصلحت کو جانتے ہوتے

رمضان کے مہینے میں جن دنوں میں قرآن نازل ہوا ہے جو انسان کے لئے ہدایت اور دلیل ہے اور انسانوں میں تفریق کرنے والا ہے۔ پس تم میں سے جس کو یہ مہینہ ملے وہ روزہ رکھے۔ اور جو تم سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کی عدت دوسرے دنوں سے پوری کرے"

یہ اس قدر صاف وصریح اور حکم بین ہے کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اور اس لئے شریعت نے روزہ کو مذہب کا دوسرا رکن قرار دیا ہے۔ البتہ اس میں چند الفاظ قابل توجیہ ہیں۔ اول تو ایام معدودات دوسرے "و علی الذین یطیقونہ" تیسرے "فمن شہد منکم الشہر" مگر قبل اس کے کہ ان الفاظ کے معانی و مطالب پر غور کیا جائے ایک اصولی بات اس آیت کے متعلق طے کرلینا چاہئے تقریباً تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن میں بعض ایسی آیتیں ہیں جو بعد کی آیتوں سے منسوخ کردی گئیں ہیں اور یہ آیتیں ناسخ ہیں اور پہلی منسوخ۔ حال کے بعض مفسرین — جن میں سے ایک تو مولینا محمد علی احمدی کا نام لیا جاسکتا ہے ——— ——— قرآن میں ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں ہیں اور حقیقت

امر بھی یہ ہے کہ مسئلہ ناسخ منسوخ بھی اور دوسرے فقہی مسائل کی طرح یہودیوں سے لیا گیا ہے مگر اس کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن شریف میں ایک آیت ہے یعنی "ننسخہا من آیۃ الی آخرہ" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو قرآن میں کی بعض آیتیں ناسخ و منسوخ ہیں اور یا قرآن کی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں جو کتب سابقہ میں مرقوم تھیں وہ قرآن کی آیتوں سے منسوخ ہو گئیں میں خود ایک حد تک ناسخ و منسوخ کا قائل ہوں جس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ایک وقت میں بلا پیش بینی کے ایک آیت نازل کر دی۔ لیکن بعد کے تجربہ سے اُس کو منسوخ کرنا پڑا۔ بلکہ اُس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں بعض احکام ایک دم سے فرض نہ کئے جاتے تھے بلکہ رفتہ رفتہ یعنی مثلاً شراب کے لئے۔ پہلے صرف یہ حکم دیا گیا کہ شراب مضر بھی ہے اور مفید بھی۔ مگر اس کی مضرت اُس کے فائدہ سے زیادہ ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے شراب پینا کم کر دی اور جب اس حکم کے لوگ عادی ہو چلے تو دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مخمور حالت میں نماز مت پڑھو۔ اس کے بعد شراب کو قطعاً حرام کر دیا گیا۔ تو اب شراب کے حرام ہونے کا حکم صرف تیسرے حکم سے باقی رہا اور پہلے دو حکم منسوخ ہو گئے یا زانیہ کے لئے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ اُس کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ اور چونکہ شروع میں عرب کے عادات میں زنا کا زیادہ رواج تھا۔ یہ حکم ابتدائی رہا اور اس کی بات جب عربوں کی پرانی عادتوں میں اصلاح ہوئی تو زانیہ کے لئے حد قائم ہوئی۔ اور اب پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔

آیات صیام جو میں نے نقل کی ہے ان میں مفسرین کی رائے یہ ہے کہ "یا ایھا الذین سے تعلمون" تک آیت منسوخ ہے اور "شھر رمضان الذی" سے "من ایام اخر" تک ناسخ۔ میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔ کیونکہ اول تو متن قرآن اور سیاق عبارت اور ترتیب سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دونوں آیتیں دو زمانے کی ہیں۔ اور جب وہ ایک ہی سانس اور سلسلے میں بیان کی گئی ہیں تو ناسخ و منسوخ کی تاویل لغو ہو جاتی ہے۔ دوسرے پہلی آیت میں کوئی ایسا لفظ قطعی نہیں ہے جو منسوخ سمجھا جائے اور جس کے لئے دوسری آیت کی ضرورت ہو۔ آیت کا دوسرا حصہ محض پہلے حصہ کی تشریح ہے اس تمہید کے بعد ہم کو ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے۔

"ایام معدودات" یعنی گنتی کے چند روز نہ عربی میں اور نہ ہماری زبان میں کبھی مہینہ بھر کے لئے گنتی کے چند روز بولے جاتے ہیں۔ گنتی کے چند روز کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ جو شمار میں بالکل کم ہوں۔ اور چونکہ اس زمانے کے عرب اور اب بھی اقوام وحشیہ میں دس سے زیادہ عدد گننا نہیں جانتے تھے اس لئے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا شمار دس ہوتا ہے اور اسی کو عربی میں عقدۃ الانامل کہتے ہیں۔ اس لئے گنتی کے دن اتنے ہی دن ہوں گے جو شمار میں دس تک ہوں ورنہ اگر اس سے ۳۰ یا ۲۹ دن مراد لئے جائیں تو ایام معدودات کے بجائے شہر کہنا زیادہ صحیح ہوتا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اگر روزے کے دن گنتی کے چند روز ہیں تو انکی تعداد کیا ہے۔ اب آخری آیت کو پڑھو "شھر رمضان الذی نزل فیہ القرآن" رمضان کے مہینے میں جبکہ قرآن نازل ہوا تھا۔ مورخین و اہل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۲۱ یا ۲۳ رمضان کو قرآن کی پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔ بس اس تاریخ سے آخری مہینہ رمضان تک قرآن شریف کے رو سے روزہ فرض معلوم ہوتا ہے حدیثیں بھی جہاں تک میری نظر سے گزری ہیں اگر ان کے رطب و یابس کو بلا تنقید پڑھا جائے تو اس سے بھی صاف واضح نہیں ہوتا کہ پورا مہینہ رمضا

میں روزہ رکھا جاتا تھا۔ البتہ فقہ کے رو سے سارا مہینہ رمضان روزہ رکھنا چاہیے۔ مگر ہیں فقہی مسائل کا اس وقت تک پابند نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن یا متصل بالاسناد وصحیح حدیث (جو بہت ہی شاذ ہے) اس کی تائید میں نہ ہو۔

بہرحال یہ بات قطعی ثابت ہے کہ ایام معدودات کا عمل سارے مہینے پر نہیں ہوتا اور مفسرین نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ مگر مفسرین کیا جانتے تھے کہ دنیا اُن کے بعد کتنی کروٹیں لے گی اور سوائے قرآن کے کوئی خیال و مسئلہ ایسا باقی نہ رہے گا جو غیر وقتی پرانا اور ناموزوں نہ ہو جائے۔ چونکہ سامی مذاہب میں بھی سال میں گنتی کے چند روز کے روزے تھے۔ اور ہمیشہ کسی بڑی یادگار کے روز اور اس کے بعد تک رکھتے تھے نہ کہ اس کے قبل رکھے جاتے تھے۔ اس سے اس قیاس میں اور مدد ملتی ہے کہ ہمارے روزے اتنے سخت نہیں ہیں جتنا ہم نے خود اپنے نفس پر ظلم کر کے رکھ لیا ہے اور جو رہبانیت و نفس کشی کے حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

"وعلی الذین یطیقونہ" اور وہ لوگ جن کو طاقت ہے۔ اس لفظ نے بہت سے مفسرین کو مشکل میں ڈالا ہے۔ اور بعض مفسرین نے تو اس مشکل کو اس طرح حل کیا ہے کہ آخر بین انھوں نے بروایت ابن عباس (جو مفسرین و محدثین کا سب سے بڑے سہارا ہیں) یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے زمانے میں روزہ رکھنا فرض عام نہ تھا۔ بلکہ جو لوگ چاہتے روزہ رکھتے اور جو لوگ چاہتے مساکین کو کھانا کھلا دیتے۔ اس حدیث کو میں بھی تسلیم کر لیتا اگر بعد کے جملے سارا بنا بنایا کھیل نہ بگاڑ ڈالتے۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد یہ اجازت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی۔

ملا جیون استاد عالمگیر نے عربی میں احکام قرآنی کی ایک تفسیر لکھی ہے جو عربی زبان میں ہے اور انھوں نے اس لفظ کی تاویل یوں کی ہے کہ اس میں "لا" محذوف ہے اصل میں "لا یطیقونہ" تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے جو روزہ نہ رکھ سکیں۔ مثلاً بوڑھے لوگ۔ یہ تاویل اچھی تھی۔ کیونکہ نحو میں بھی اکثر یہ قاعدہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایک شخص جو نہ روزے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ فدیہ کی وہ کیا کرے۔ اور ہم اس سے وہی لوگ کیوں نہ مراد لیں جو روزہ تو رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ روزے کی استطاعت کے لئے صرف صحت و حضر شرط ہے نہ کوئی اور چیز اور جب صحت نہیں تو مریض و مسافر پر سے یوں ہی روزہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کی آیت سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ کا بدل فدیہ و اطعام مساکین ہے اور وہ خدا کے نزدیک ویسا ہی محبوب ہے جیسے روزہ۔ ایک شخص چاہے فدیہ دے چاہے روزہ رکھے چاہے دونوں کرے۔ یہ قیاس اس سے بھی قوی ہو جاتا ہے کہ بعض گناہوں کے کفارے میں یہ بھی حکم ہے کہ یا روزہ رکھا جائے۔ یا مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ یا غلام آزاد کیا جائے۔

"فمن شھد منکم الشھر" اور تم میں سے جو رمضان کے مہینے کو پاوے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جن کو رمضان کا مہینہ ملتا ہی نہیں۔ اس کا جواب اڈتیسویں صدی سے قبل کوئی مفسر نہیں دے سکتا تھا۔ مگر آج اس کا جواب ہم دے سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ دکھلا سکتے ہیں کہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا ہرگز نہیں۔ وہ ایسی ہستی کا کلام ہے

جس کی نظر انسانی نظر سے کہیں بڑھی ہوئی ہے بے شک ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور وہ قطب شمالی اور جنوبی کے رہنے والے ہیں اور اس لئے جس طرح حج و زکوٰۃ کی فرضیت غیر مستطیع پر سے ساقط ہو جاتی ہے یا جہاد کی فرضیت بغیر امر و خلیفہ کے اسیطرح روزہ کی فرضیت وہاں ساقط ہے۔

ہم فلسفۂ مذہب میں تفسیر قرآن کرنے بیٹھ گئے۔ حالانکہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ روزہ ایک رکن مذہبی ہے اور اسلام میں بھی چند روز کے لئے بہ یادگار نزول قرآن روزہ رکھنا فرض ہے جس میں متعدد دینی و دنیاوی مصلحتیں ہیں اور یہ کہ مریض و مسافر اور جو لوگ رمضان کا مہینہ نہیں پاتے یا جو لوگ اس کی جگہ فدیہ دے سکتے ہیں اُن کو روزہ رکھنا ضرور نہیں۔

زکوٰۃ یا صدقہ زکوٰۃ یا صدقہ دونوں عربی الفاظ ہیں۔ زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے کے ہیں اور صدقہ کے معنی مجھے ٹھیک معلوم نہیں زکوٰۃ و صدقہ کے ہم معنی لفظ عربی میں خیرات اور انگریزی میں چیریٹی (Charity) یا نیکی کرنے کے ہیں۔ صدقہ سے مراد یہ ہے کہ فقرا اور مساکین کی مالی امداد کی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فعل اخلاق و معاشرت کے ضمن میں آتا ہے۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ اس کے کنہ و قیہ پر سود خانہ حیثیت سے نظر ڈالی جائے۔ چونکہ اسلام نے زکوٰۃ کو ایک رکن دین قرار دیا ہے۔ اس واسطے ہم نے اُس کو عبادات میں شامل کر لیا ہے۔ ورنہ عام طور سے یہ ایک اخلاقی فعل ہے اور دوسری نیکیوں کے ساتھ تمام اعلیٰ مذاہب نے اس کی تائید کی ہے۔ البتہ اسلام ہی کو صرف دنیا کے تمام مذاہب میں امتیاز حاصل ہے کہ اس نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی اس درجہ تاکید کی ہے کہ وہ ایک فریضہ مذہبی میں شمار ہونے لگا۔ اور اس کی تشریح بھی بعد کو دوسرے ارکان دین کی طرح کی گئی ہے۔ ہم اس میں صرف دو تین باتوں پر اکتفا کریں گے۔ زکوٰۃ کے متعلق عام طور سے فقہی مسئلہ یہ ہے کہ سال بھر میں آدمی کے پاس سے جو بچ رہے اور جو ایک معین مقدار سے کم نہ ہو اس کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدو۔ بالکل یہی طریقہ یہودیوں کے ہاں تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تعیین حضرت ابوبکر نے اپنے خلافت کے زمانے میں کی تھی۔ اور اس کی سند میں ان کا مشہور خط پیش کیا جاتا ہے جو حدیثوں میں منقول ہے۔ تو اسلامی زکوٰۃ در اصل ایک قسم کا انکم ٹیکس ہے۔ اور جب مذہب کے ساتھ سیاست شامل تھی تو اسلامی زکوٰۃ کا مقصود در حقیقت وہ کبھی نہیں ہو سکتا جو خیر و خیرات و رحمدلی کا ہو سکتا ہے۔ ہم کو زکوٰۃ کے اس مفہوم کے ماننے میں کچھ تامل نہ ہوتا اگر اسلامی سلطنت دنیا میں محدود نہ ہوتی اور ایسے زمانے میں جب کہ اسلام اسلامی سلطنتوں کی حدود سے کہیں دور نکل گیا ہے۔ زکوٰۃ کی سیاسی تعین ان قوموں میں جہاں کی سلطنت اسلامی نہیں یا تو منسوخ سمجھا جائیگا یا اس کی دوسری صورت پیدا کی جائے گی۔ کیونکہ اس قسم کی زکوٰۃ آدمی خود بخود اپنے دل کی خوشی سے نہ دیگا اور جس طرح انکم ٹیکس دینے والے بہت سے بہانے ٹیکس دینے کے نکال لیتے ہیں اور اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ مسلمان بھی یہ کرنے لگیں گے کہ سال میں جب زکوٰۃ ان پر فرض ہونے لگے گی تو روپیہ اپنی بیوی کے نام منتقل دیں گے۔ اور وہاں تو زکوٰۃ کا نام بھی نہ لیں گے جہاں کوئی اسلامی سلطنت نہیں۔ اور اس طرح بیوی اپنے شوہر یا اپنے بچوں کے نام۔ لیکن اگر زکوٰۃ کا نام رافت و رحمدلی ہے اور اپنے ہمجنس غریب بھائیوں کی امداد

بطیب خاطر مقصود ہے تو ہم اُس کو کبھی نہ بھولیں کہ قرآن نے جس کی نظر ہر زمانے اور ہر ملک پر تھی۔ نہ زکوٰۃ کا کوئی نصاب مقرر کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ دینے کا سال میں صرف ایک ہی وقت ہے۔ برخلاف اس کے قرآن نے جب کہیں نماز کی تاکید کی ہے تو اس کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی تاکید کردی۔ یعنی جس طرح نماز روزانہ ہو اسیطرح زکوٰۃ بھی روزانہ ہو۔ آنحضرت سے لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ وہ کس قدر زکوٰۃ دیں۔ اس کا قرآن نے یہ جواب دیا ہے۔

(۱) یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل وما تفعلو من خیر فان اللہ بہ علیم۔　　(بقر رکوع ۲۵)

تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدو کہ جو مال بھی خرچ کرو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے۔ اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا۔ اور مسافروں کا اور تم کوئی سی بھلائی کروگے تو اللہ اُس کو جانتا ہے۔

(۲) ویسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفو۔ کذلک یبین اللہ لکم الایٰت لعلکم تتفکرون۔ (البقر رکوع ۲۶)

اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں کہدو جتنا تم سے ہو سکے۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم کو غور کرنے کا موقع ملے۔

یا تو اس صریح آیت کو مسائل فقہی کے آگے سے اُٹھا کر پس پشت ڈال دیا جائے۔ یا نعوذ باللہ یہ سمجھا جائے کہ یہ احکام مبہم ہیں اور فقہ میں اس کی صراحت زیادہ ہے۔ مگر زکوٰۃ دینے والوں اور لینے والوں سے پوچھو۔ کونسی صورت دل کو پیاری و تسکین دینے والی ہے؟ یہ ضرور ہے کہ تعین زکوٰۃ سے ایک کام کی مقررہ عادت پڑ جاتی ہے مگر خیرات کے معاملے میں تعین کیا معنی "اللہ یعطی و انا قاسم" مسلمانوں کا شیوہ ہونا چاہئے۔ جب ہم کو اللہ مقدرت دے خوب دل کھول کر زکوٰۃ دیجائے اور مسلمانوں کے کاموں میں اسقدر فراخدلی سے چندہ دیا جائے جو نصاب زکوٰۃ سے ہزار گُنا ہو۔ اور فقہا کو اپنے مسائل کے ساتھ ان کو حال پر چھوڑ دیا جائے مسلمان اگر اپنا یہ طریقہ کرلیں کہ اپنے تمام اعتقاد و اعمال میں سوائے قرآن کے کسی کی مدد نہ لیں تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی مذہب ان سے بالا نہیں رہ سکتا۔ اور اسیوقت قرآن کی آیت صحیح ثابت ہوگی۔

"لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" مگر ہمنے قرآن کے احکام کو چھوڑ دیا اور نامعتبر اور مشکوک روایات اور ظنون کو اپنا دستور العمل بنالیا۔ اور جیسا ہم نے یہ ویسا ہی ہم نے پایا۔ نہ ہم سے اپنے مذہب کی تبلیغ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ بفضلہ عربی و فارسی کے جاننے پر موقوف ہے۔ جو دنیا میں صرف ایک محدود خطہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اور نہ ہمکو کبھی ہوش آتا ہے کہ ہم میں قومیت کا احساس دوسری قوموں کی طرح پیدا ہو جو ترقی کا اصل محرک ہے۔ معلوم نہیں کس احمق نے ہم کو سمجھا دیا ہے کہ سارے مسلمان ایک قوم ہیں جنکی ایک زبان ایک تمدن ایک لباس ایک معاشرت ہونا چاہئے جیسے یہودیوں۔ ہندوؤں اور پارسیوں کا حال ہے۔ ہندوستان میں اقلیت پر جو ہم لڑ مر رہے ہیں وہ قومیت کی بنا پر نہیں ہے۔ اس لئے ہم میں سے نوے فیصدی اس ملک کی آب و ہوا اور تمدن کے پروردہ ہیں بلکہ مذہب کی بنا پر ہے

اور یہ حماقت اب تک سوائے ہندوستان کے مسلمانوں کے کسی ملک سے سرزد نہیں ہوئی۔ اور اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ مسلمانوں کی پستی کے اسباب بحیثیت قوم کیا ہیں تو مجھے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اُن کے وہ مذہبی خیالات ہیں جن کو غلطی سے وہ اسلام سمجھتے ہیں۔

اجتماع ہم مذہب افراد

مسلمانوں کو غالباً یہ سنکر تعجب ہو گا کہ حج جو ایک خالص فریضۂ اسلامی سمجھا جاتا ہے اور اس کے مثل کوئی فریضہ دوسرے مذاہب میں حتیٰ کہ مذاہب یہود و نصاریٰ میں بھی نہیں ملتا وہ لفظ اصل عبرانی لفظ ہے۔ اور عبرانی میں اس کی صورت حاگا یا حاجا (Haqqa) ہے اور جس کے معنی میلے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سالانہ مذہبی اجتماع کا خیال کم سے کم یہودیوں میں بھی تھا۔ اور وہ بھی سال میں ایک مذہبی اجتماع یا کانفرنس کیا کرتے تھے۔ اجتماع ہم مذہب اصولی حیثیت سے بعض مذاہب کے معمولات میں سے رہا ہے چنانچہ مسیحیوں میں یوکارسٹ یا عید فصح ایک ایک مشہور اجتماع مذہبی خیال کیا جاتا ہے۔ جس روز عیسائی ایک سفرۂ عام پر بیٹھ کر حضرت مسیح کی یاد میں روٹی کو ان کا گوشت تصور کرکے اور شراب کو اُن کا خون جانکر کھاتے پیتے ہیں۔ یوکارسٹ کے بارے میں خود مسیحیوں میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے اُسکو بت پرستی کی ایک رسم کے مماثل سمجھ کر یہ قرار دیا ہے کہ یہ بھی قسطنطین کی ان بدعات کے ضمن میں عیسائیوں پر ڈالے گئے ہیں جو اُسنے عقائد منفقہ کے بعد فروغ دئے تھے اور یہ رسم دراصل پرستاران متھرا اور اپالو کی رسم ہے۔ کیونکہ اُن بت پرستوں میں بھی ہوبہو یہی رسم پائی جاتی ہے۔ خواہ کچھ ہو کم سے کم اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحیوں سے قبل بھی اجتماع ہم مذہب بعض مذاہب کا معمول رہا ہے اور اگر مسیحیوں نے واقعی بت پرستی کی نقل منجملہ اور دوسری باتوں کے کی ہے تو کم سے کم قرآن اس کا شاہد ہے اور ان مسیحیوں میں جو عقاید نیقیہ کے قبل تھے اسی قسم کی ایک عید منائی جاتی تھی اور وہ اس یاد میں تھی کہ حضرت مسیح نے حواریوں کے فرمائش سے روٹی اور مچھلیوں کے زیادہ ہونے اور اس سے بڑی خلقت کے شکم سیر کھانے کا معجزہ دکھلایا تھا۔ جیسا قرآن میں ذکر ہے اور انجیل میں اس کی تائید ہے۔ یہودیوں میں بھی ہر سال ہیکل میں ایک اجتماع مذہبی ہوا کرتا تھا۔ اور مسلمانوں میں تو حج تقریباً ایک فریضۂ مذہبی اور رکن دین ہے۔ اگرچہ بعض احادیث[۵۱] سے اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مسلمانوں پر فرض ہے۔ حتیٰ کہ شیعوں میں اس کے فرضیت و وجوب پر اختلاف آرا ابھی ہے مگر اسمیں کلام نہیں کہ اجتماع مذہب کا مقصد ایک ایسا مہتم بالشان مسئلہ ہے اور بہت سے ایسے سیاسی و ملکی و معاشرتی مصلحتوں پر مبنی ہے کہ یہ واقعی قابل افسوس بات ہوگی اگر ایک مستطیع مسلمان حج کی فرضیت سے انکار کرکے اپنی زندگی میں ایک بار اس اجتماع میں شامل ہونے سے محروم رہے یہ ظاہر ہے کہ مذہب کا ایک مقصد تشکیل و تنظیم جماعت ہے۔ اور اگر جماعت کے اجتماع کی صورت پیدا نہ ہو تو مذہب کی تمام شان و جلوہ پردۂ خفا میں رہ جائے۔ اور مذہب صرف ایک فلسفیانہ

---

۵۱ دیکھو کتاب الایمان بخاری۔

تخیل تک محدود ہو جائیگا ——— اجتماع کا ایک مقصد تو یہ ہے۔ پھر ایسا اجتماع باہمی تبادلۂ خیالات اور ایک دوسرے کے حالات کو بہتر جاننے کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے مذہبی ہمدردی اور خلوص میں وسعت ہوتی ہے۔ پھر سفر، تجارت سے جو فائدے انسان کی وسعت نظری اور تجربہ کو ہوتے ہیں وہ الگ رہے اور آخر میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ منبع مذہب کی وہ تمام یادگاریں تازہ ہو جاتی ہیں جو ایک طرح سے تقویت ایمان کا باعث ہوتی ہیں۔ اہل یورپ ہر چند کہ مسلمانوں کو طعنے دیتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے توحید اسلام کے ساتھ عرب کے یہ قومی بت پرستی کی عادت قائم رکھی وہ بھی اس کے فوائد و مصلحت کے قائل ہیں۔ ہم صرف یورپ کے اس اعتراض پر کہ حج پرانی مشرکین عرب کی رسم ہے۔ جو بت پرستی پر مبنی ہے اس کا مختصر جواب دیگر عبادات کے عنوان کو ختم کر دیں گے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ مکہ میں حضرت اسمٰعیل کی اولاد کی نشو و نما ہوئی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بڑے بیٹے تھے اور یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ حضرت ابراہیم نے دنیا کی سب سے پہلی مسجد کی بنیاد مکہ[1] میں ڈالی ہے۔ اور حضرت ابراہیم موحدین اور مسلمین کے آبا و اجداد میں سے ہیں۔ پس انکی یادگاروں کو تازہ رکھنے کے لئے خواہ عرب کے بت پرست حج کریں یا مسلمان کسی صورت سے ناجائز نہیں ہو سکتا۔ مکہ میں جو مناسک ادا کئے جاتے ہیں وہ سب ابراہیم خلیل اللہ کی یادیں ہیں۔ حتیٰ کہ انھیں کی طرح کا لباس بھی ان ایام میں پہنا جاتا ہے۔ اور طواف کعبہ ایک قسم کی عبادت ہے جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں ہوا کرتی تھی اور جو عبادت انھوں نے خود بھی کی ہے۔ رہا سعی صفا و مروہ۔ تو اس کی تاریخی توجیہ یہ ہے کہ اس واقعہ کی یادگار ہے۔ جب حضرت ہاجرہ نے اپنے بچے اسمٰعیل کو پیاس سے جاں بلب پایا تو وہ سراسیمگی سے پانی کی تلاش میں ادہر اودہر دوڑنے لگیں۔ کبھی صفا پر چڑھ جاتیں کبھی مروہ پر یہاں تک کہ اُن کو زمزم کا چشمہ نظر آگیا۔ رمی الجمار در اصل اصحاب فیل کی مکہ کے سامنے سے پسپائی کی یاد ہے۔ کیونکہ اصحاب فیل کنکریوں سے جو ابابیلیں اپنے پنجوں سے مارتی تھیں ہلاک ہو گئے تھے۔ لیکن یہ سب حج کے فروعات ہیں۔ اصل حج یہ ہے کہ عرفات کے تلے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اس وقت خطیب اُن کو وعظ کہتا ہے۔ عرفات وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم نے خدا کو دیکھا تھا۔ یا پہچانا تھا۔ غرضکہ حج میں کوئی ایسا امر نہیں کیا جاتا جو قبیح ہو یا جس میں ذرا بھی بت پرستی کا شائبہ ہو۔ الا قربانی کہ جسکے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں۔

معمولات مذہب کی تشریح پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ مذہب کے معمولات بھی عقائد کی طرح ایک عام خیالات پر مبنی ہیں۔ اور ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ مشابہت ضرور ہے۔ اب ہم آئندہ عنوان میں انشاء اللہ انجام مذاہب پر نظر ڈالیں گے۔ اور مذہب کے ایک خیال و فعل پر متحد ہونے کے امکان پر غور کریں گے۔

سید مقبول احمد

---

[1] دیکھو راڈویل کا ترجمۂ قرآن

چین کی ملکہ

(فسانہ)

وہ جوہر مجسم کی طرح نازک اندام اور خوبصورت تھی۔ اور کسی خوشنما باغ میں ایک شاداب گلاب کی طرح اپنے ننھے سے قلعہ کی تنہا مالک یہ ننھا سا قلعہ اس کا عشرت کدہ تھا جس کی دیواروں پر ہلکا ہلکا سبز رنگ چڑھا ہوا تھا اور فرش پر سنہری بیل والے ریشم کے نرم نرم گدے بچھے ہوئے تھے جن پر وہ ترنم ریز قمری کی طرح پھدکتی پھرتی تھی۔

یہ درخشاں آنکھ اور گلابی رخساروں والی خوش گلو اور زندہ دل قمری کس کی ملکیت تھی؟ جب دوشیزۂ بہار باغ عالم کی سیر کو نکلتی اور نسیم سحر پھولوں سے سرگوشیاں کرتی اور خوابیدہ کلیوں کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کرتی تو اُس قمری کے کیف اور نغموں سے کون سی خوش قسمت ہستی لطف اندوز ہوا کرتی؟ اس الفتکدہ کی روحِ رواں کا نام سسٹ (Susanetta) تھا۔ جس کا برق پاش تبسم۔ ترنم ریز گفتار اور غم ربا موسیقی اپنے محبوب خاوند رکارڈو کے لئے وقف تھیں۔

آج سے ڈیڑھ سال قبل ان دونوں کی شادی ہوئی تھی۔ اس وقت موسم بہار شباب پر تھا اور یہ دونوں محبت کی رنگینیوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے شہر سے دور ایک پر فضا مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب یہ صبح و شام ہاتھ سے ہاتھ ملائے محبت سے گفتگو کرتے ہوئے چشمہ کے کنارے ٹہلتے تو لہریں زیادہ سرعت سے ایک دوسرے کا تعاقب کرنے لگتیں اور ہوا پاس کی جھاڑیوں میں اٹکھیلیاں کرتی ہوئی تمام خوابیدہ پتوں اور پر خمار کلیوں کو جگا دیتی اور ان کے ساتھ روح پرور لے میں گنگنانے لگتی۔

چند روز کے بعد یہ دونوں پھر شہر میں واپس آ گئے۔ اور اپنے باغ میں ننھے ننھے گلاب اور یاسمین کے پودوں کی نگہداشت میں مصروف ہو گئے۔

رکارڈو صناع تھا۔ ایک صاف ستھرے چھوٹے سے کمرہ میں اس کی دوکان تھی جو مرمریں ٹکروں۔ برنجی مجسموں۔ اور مٹی کے خوبصورت کھلونوں اور بتوں سے بھری ہوئی تھی۔ اکثر ریشمی پردوں کے پیچھے سے گانے کی آواز اور آہنی ہتھوڑی کی جھنکار سنائی دیتی جو اتنی دلکش ہوتی تھی کہ قریب سے گزرنے والے راہگیر چلتے چلتے ٹھٹھک جاتے اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگتے۔ اکثر اوقات رکارڈو اپنی محبوبہ کی دلکش آواز سے ایسا بیخود ہو جاتا کہ اپنی ہتھوڑی روک کر خود کوئی پرانے زمانہ کے گوالوں کا گیت گانے لگتا!

بسا اوقات جب رکارڈو کام میں منہمک ہوتا تو سسٹ آہستہ آہستہ پنجوں کے بل جاتی اور پیچھے کھڑی ہو کر اس کے گلے میں باہیں ڈالدیتی۔ رکارڈو کی الفت پاش آنکھیں بلیلاتیں اور سسٹ کے لبہائے لعلیں اس کے عرق آلود رخساروں پر چسپاں ہو جاتے یا کبھی یوں بھی ہوتا کہ سسٹ اپنے مخملی صوفہ پر ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے پڑھتے آنکھیں بند کر لیتی اور رکارڈو کے تھرتھراتے ہوئے ہونٹ اس کے تبسم آمیز ہونٹوں سے ملکر اس کے خواب لذیذ کو درہم برہم کر دیتے۔ سسٹ کی نیم باز آنکھیں محبت سے درخشاں آنکھیں

رکارڈو کی آنکھوں میں گڑ جاتیں، ادھر ایسے موقعہ پر سسٹ کی عزیز بلبل جو قریب ہی پنجڑے میں ٹنگی ہوتی اپنے مسرت بار قہقہوں سے کمرہ کی فضا کو معمور کر دیتی۔ سسٹ دوڑ کر پنجرہ کے دروازہ کو کھول دیتی اور بلبل سیٹی بجاتی ہوئی سارے کمرہ میں رقص کرتی پھرتی۔ کبھی رکارڈو کے بنائے ہوئے اپالو کے مجسمہ پر بیٹھ کر ان دونوں کی طرف دیکھتی اور کبھی وینس کے گل رخسار کا بوسہ لیکر گویا اپنی مالکہ پر طعنہ کستی۔ سسٹ دوڑ کر اسے پکڑ لیتی اور اس کی منقار کو منھ میں دبا کر آہستہ سے کہتی۔ "تو خوبصورت ضرور ہے۔ مگر بلا کی شریر ہے!"

جب یہ دونوں فرصت کے وقت یکجا ہوتے تو ایک دوسرے کی زلفیں سنوارتے۔ "میری لیلیٰ کوئی گانا نہ سناؤ گی؟" رکارڈو کہتا۔ اور آہستہ آہستہ فضا میں ایک دلکش نغمہ بلند ہوتا اور رفتہ رفتہ اس کی لہریں ساری فضا میں محیط ہو جاتیں۔ دونوں کے دل محبت کے پاک جذبہ سے معمور تھے۔ اور یہ ایک دوسرے پر فریفتہ۔ یہ اس کے لئے انسا اور ومنیس تھی اور وہ اس کے لئے جوپیٹر اور لوہنگن۔ آہ فریفتگان محبت! جب عشق تمہارے دلوں میں جلوہ فگن ہوتا ہے تو دلوں کی کیا کیا کیفیتیں ہوتی ہیں کتنے جذبات خفتہ اٹھتے ہیں۔ کیسے کیسے جسارت انگیز ولولے ابھرتے ہیں۔ شباب وارفتگانِ الفت کے سامنے ایک ہلکا سنہری پردہ آویزاں کر دیتا ہے جس پر لامحدود خوشیوں کی تصویریں رقص کرتی نظر آتی ہیں! آہ کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کیسی شدید الفت تھی۔ ملکہ شب سے زیادہ۔ آفتاب درخشاں سے فزوں تر رکارڈو اپنی محبوبہ کو چاہتا اور ان نورانی ہستیوں سے کہیں زیادہ گرم جوشی سے اس کی پرستش کرتا تھا۔ کبھی اس کی محبت کے دریا میں چشمۂ خوابیدہ کا سکون نظر آتا کبھی تلاطم خیز سمندر کی جنوں سامانی اور کبھی یہی جذبہ مذہبی عقیدت کا رنگ اختیار کر لیتا۔ بعض اوقات رکارڈو اپنے تخیل میں صوفیوں کی بلند پروازیوں سے بھی آگے بڑھ جاتا اور اُسے اپنی محبوبہ کی ہستی میں انسانی دنیا سے بلند تر اوصاف نظر آنے لگتے۔ اور وہ خیال کرنے لگتا کہ سسٹ آسمانی دنیا کی کوئی بہترین جنس ہے۔ وہ خوشبو دار پھول کی طرح اس کی مشام روح کو معطر رکھتی ہے اور جب وہ اُس کے نرم نرم قابل پرستش سر کو ہاتھوں میں لیکر جوش محبت سے سینہ سے لگاتا تو اس کے لبوں پر فاتحانہ تبسم رقص کرنے لگتا اور وہ اپنی قابل رشک کامیابی کو کسی فاتح اعظم کی فیروز مندی سے اعلیٰ تصور کرتا۔۔

رکارڈو کو اپنی صنعت سے الفت تھی۔ وہ مجسموں کی تراش خراش میں نہایت جوش و کاوش سے کام لیتا۔ مرمریں ٹکڑوں سے یونانی رقاصہ کا جسم دو چار ضربوں میں نکال لینا اس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ سفید آنکھ اور بغیر پتلیوں والی عریاں دیویوں کے مجسمے آن کی آن میں تراش لیتا۔ ان خاموش مجسموں سے اس کی چھوٹی سی دوکان کی پوری دنیا آباد تھی۔ علاوہ ازیں اسے جاپان اور چین کی نوادرات جمع کرنے کی دھن تھی اور وہ اس فن کا ماہر تھا۔ البتہ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ ان ممالک کی زبانوں سے بے بہرہ تھا۔ اس نے غیر ممالک کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا تھا۔ لوٹی۔ جوڈتھ اور کارٹر کو وہ پرستش کی نگاہوں سے دیکھتا۔ اور بنگاسکی۔ کیوٹو۔ نیکن اور بیکن وغیرہ کی شہرۂ آفاق صنعت کے بہترین نمونے حاصل کرنے کے لئے اُس نے کافی قربانیاں کی تھیں۔

سسٹ نے ایک روز اس سے کہا "میں تمھاری دوکان کو اس طلسمی کمرہ کو حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہوں جس کی وجہ سے مجبوراً مجھے تم سے علحدہ رہنا پڑتا ہے۔ رکارڈو فی الفور اپنے نگار خانہ سے مسکراکر اٹھ کھڑا ہوا اور سسٹ کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے آسمانی رنگ کے کمرہ میں اپنی محبوبہ کی محبت آمیز جھڑکیاں سننے اور اسکی شریر بلبل کی چھیڑ چھاڑ کا تماشہ دیکھنے کے لئے جا پہنچا۔

ایک روز صبح جب رکارڈو کمرہ میں داخل ہوا تو سسٹ کی آنکھیں خمار خواب میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ ایک تپائی کے قریب جس پر پھولوں سے بھرا ہوا گلدان رکھا تھا محو خواب تھی۔ کیا سسٹ صحرائے خفتہ کی کوئی حسین دیوی تھی؟ وہ نیم خوابیدہ مخملی صوفہ پر پڑی تھی اور اس کا حسن ضیا پاش اس کے لباس سے چھن چھن کر سارے کمرہ کو منور کر رہا تھا۔ اس کے سنہرے نور افشاں گیسو شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ جن کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ سسٹ اگلے زمانہ کے ان پُر رومان قصوں کی شہزادی تھی جن کی ابتدا اکثر اس دلکش جملہ سے ہوا کرتی تھی کہ ——— "کسی زمانہ میں ایک بادشاہ تھا! ———"

رکارڈو نے اسے اس خواب ناز سے جگا دیا۔

"سسٹ - میری خوبصورت سسٹ!"

اس نے اپنا رخ انور انگڑائی لیتے ہوئے اٹھایا۔ رکارڈو کی آنکھیں فرط محبت سے چمکنے لگیں اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔

"پیاری سسٹ - یہ خط رابرٹ کا ہے۔ اسپر چین کی مہر ہے۔ ہانگ کانگ جنوری ۱۸ء ———"

سسٹ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خط کو لیکر عجیب انداز سے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"رابرٹ کا سا دوسرا شخص دیکھنے میں نہ آیا" رکارڈو نے کہا ——— "اسے ارض پیمائی کا خبط سوار ہے ہمارے گھر میں اُسکی بڑی عزت ہے اور وہ اس خاندان کا بھی ایک فرد شمار کیا جاتا ہے۔ دو سال قبل وہ سان فرنسسکو کے لئے روانہ ہوا تھا اور اب چین میں موجود ہے ———" اس نے خط لیکر پڑھنا شروع کیا۔

"ہانگ کانگ جنوری ۱۸ سنہ ۱۸ء

عزیز رکارڈو

"تم سے رخصت ہونے کے بعد میں نے دل کھول کر سیاحی کی مگر ہنوز مجھے سیری نہیں ہوئی۔ تمھاری شادی کی خبر مجھے سان فرنسسکو میں ملی تھی۔ میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں یہاں پر کیلیفورنیا کے ایجنٹ کی حیثیت سے مقیم ہوں۔ اور اس ملک کے نوادرات وہاں بھیجنے کے کام پر مامور ہوں۔ اس خط کے بعد تمھیں اپنی شادی کا تحفہ بذریعہ پارسل ملیگا جس سے تم نہایت محظوظ ہوگے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم اس ملک کی چیزوں کی کتنی قدر کرتے ہو۔ سسٹ سے میری قدمبوسی عرض کیجئے اور مجھے ہرگز ہرگز فراموش نہ کیجئے۔ کیونکہ میں وہی ہوں تمھارا رفیق دیرینہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔"

رابرٹ

خط کے ختم ہوتے ہی دونوں کے دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ سسٹ کی بلبل اپنی سیٹیوں کی آواز سے طلائی قفس کی

تیلیوں کو متحرک کر دیا!

پارسل دستیاب ہوا بڑا صندوق جس پر جگہ جگہ چینگی خانوں کے نشانات اور مختلف مقامات کی مہریں ثبت تھیں۔ ایک گوشہ میں نہایت جلی قلم سے ایک جملہ لکھا ہوا تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اندر کا سامان نہایت نازک اور بیش قیمت ہے۔ دونوں رابرٹ کا تحفہ دیکھنے کے لئے بیتاب تھے۔ صندوق کھولا گیا جس میں سے ایک نہایت نفیس چینی کا نسائی مجسمہ برآمد ہوا اس کا چہرہ چینی صنعت کے لحاظ سے قدرے زردی مائل تھا اور اس کے لبہائے نازک تبسم سے لرزاں نظر آتے تھے۔ مجسمہ کے نیچے مختلف زبانوں میں یہ الفاظ خوبصورتی سے کندہ تھے۔

"چین کی ملکہ" — "چین کی ملکہ"

کیا قابل رشک صناعی تھی! یہ سحر ریز مجسمہ کسی چابکدست کی صنعت کا نتیجہ تھا؟ کسی ایشیائی صناع کی؟ کیا یہ لوگ بت سازی میں اس درجہ ماہر ہوتے ہیں؟ یا ان کے پس پردہ کوئی غیبی ہاتھ ان کے مجسموں کو مکمل کرتا ہے؟

مجسمہ کی دراز زلفین اس کے رمز آمیز چہرہ کے پیچھے خوبصورت جوڑے میں بندھی ہوئی تھیں اس کی چشم ہائے فریب کار کسی آسمانی شہزادی کی آنکھوں کی طرح درخشاں تھیں۔ وہ سفید چینی کی بنی ہوئی تھی اور ڈھلکتے ہوئے ستارہ کی طرح روشن۔ ان ہمگیر خوبیوں کے ہوتے ہوئے اس کے طلسمی ہونے میں کسے شک ہو سکتا تھا؟

"چین کی ملکہ! چین کی ملکہ!!" سمتھ نے اپنا دست نازک اس حور وش ملکہ کے چہرہ پر پھیرتے ہوئے کہا۔ واقعی رابرٹ نے ہمارے لئے ایک نایاب تحفہ پیش کیا ہے۔ یقیناً یہ ہم لوگوں کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔"

رکارڈو مجسمہ کو نظر افتخار سے دیکھنے لگا اور وہ مطمئن تھا کہ اس کی محبوبہ بھی اُسے پسند کرتی ہے — "میں اس کے لئے ایک خوشنما کیبنٹ (cabinet) بناؤنگا اور اسے بیل بوٹوں اور پھولوں سے سجاؤنگا۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ درحقیقت میرے گھر کی ملکہ ہے۔ ہاں چین کی ملکہ میرے گھر میں اسی طرح حکومت کرے گی جیسے وینس کی مورتی اپنے مندر میں کرتی ہے" —

اور رکارڈو نے اپنا قول پورا کیا۔ ایک نہایت شاندار کیبنٹ بنوایا گیا اور اس میں رابرٹ کا عزیز تحفہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ رکھا گیا۔ مجسمہ کے ہر چہار طرف رنگ برنگ کے پردے لٹکائے گئے۔ جن کی تصویریں اور نقوش خود بلحاظ صنعت کے بے نظیر تھے۔

کسی پر گیہوں کی ہری بھری کھیتیوں اور پودوں کے درمیاں ننھی ننھی چڑیوں کا رقص بتلایا گیا تھا تو کہیں دو بلند وادیوں کے درمیاں ایک قلقل ریز چشمہ سیمیں۔ اور اس منظر کی بہار لوٹنے والا ایک تنہا بگلا جو آب رواں کے ترنم سے ایسا مبہوت ہو گیا تھا کہ سطح آب پر اچھلنے والی مچھلیوں کی اُسے ذرہ بھر بھی پرواہ نہ تھی۔ کسی پردہ پر صبح کا دلکش منظر دکھلایا گیا تھا جبکہ طلائی آفتاب سمندر کی لہروں سے نہا دھو کر افق پر آہستہ آہستہ بلند ہوتا ہے اور ایک غریب ملاح جو بہت پہلے کام پر نکل چکا ہے اس فکر میں ہے کہ پانی کے تھپیڑوں سے کیوں کر اپنی چھوٹی کشتی کو محفوظ رکھے۔ ان سحر افشاں پردوں کے کنارے کنارے رکارڈو نے اپنی کل چینی اور جاپانی نوادرات سلیقہ سے بکھیری تھی جو کمرہ کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہی تھیں۔

جب رکارڈو اپنے کاموں سے فارغ ہوتا تو اس چین کی ملکہ کے روبرو اپنے فلسفیانہ انداز میں کھڑا ہوکر نہایت عزت و احترام سے اس کی طرف دیکھتا رہتا دن میں کئی مرتبہ اسیطرح وہ اس مجسمہ کی پرستش کرتا۔ علی الصباح باغ کے عمدہ سے عمدہ پھول چنکر یاکوہاما کے بنے ہوئے بڑے طشت میں رکھ اس کے سامنے پیش کرتا۔ اس مجسمہ کی دید سے اس کے دل پر ایک کیف انگیز سرور چھا جاتا اور اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہتا۔

رکارڈو! پیارے رکارڈو! میں تمھارا انتظار کر رہی ہوں" سسٹ کی سریلی آواز چینی کے ظروف میں سرایت کر جاتی اور انہیں ایک قسم کی جھنکار پیدا ہو جاتی۔ مگر پھر بھی وہ محو نظارہ رہتا۔ یہانتک کہ سسٹا سپر آکر ٹوٹ پڑتی اور اس کے سر کو اپنی آغوش میں لیکر کہتی "مجنون۔ دیوانہ۔ وحشی!"

ایک روز صناع کے بھینٹ کئے ہوئے پھول مجسمہ کے پاس سے یکایک غائب ہو گئے!

ارے! یہاں کے پھول کون اٹھائے گیا؟ — پریم مندر کے پجاری نے گھبرا کر پوچھا۔

میں نے! — تھرتھراتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ اور ساتھ ہی سسٹ نے مسکراتے ہوئے پردے سے جھانک کر دیکھا لیکن اُس کی آنکھیں آج خلاف معمول آتش بار تھیں۔ اور اس کے انداز سے کسی عزم صمیم کے آثار اب تک ہویدا تھے۔ رکارڈو سہم گیا۔ وہ چند روز سے اپنی محبوبہ کے طرز عمل میں ایک تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن کوئی قابل تشفی توجیہ اس کے سمجھ میں نہ آئی تھی۔ وہ سوچنے لگا "آخر ماجرا کیا ہے۔ میری پیاری سسٹ کو کیا ہو گیا۔ اس نے کھانا پینا کیوں ترک کر دیا۔ کتب خانہ کی خوبصورت کتابیں کتنے دنوں سے اُسکے دست نازک کے لمس کو ترس رہی ہیں، اس کی گود میں کھیلنے کے لئے بیتاب ہیں۔ لیکن وہ ہے کہ ان کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتی۔ یکلخت وہ اس قدر افسردہ کیوں ہو گئی۔ کونسا اندرونی صدمہ اس کو نڈھال کئے ہوئے ہے؟"

کبھی کبھی رکارڈو دزدیدہ نگاہوں سے اس کی خوبصورت آنکھوں کی طرف دیکھتا اور اس کے دل میں ایک چوٹ سی لگتی جب وہ دیکھتا کہ وہ آنکھیں جو چند روز قبل وفور محبت و فرط انبساط سے چمکا کرتی تھیں آج آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ وہ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھتا "پیاری سسٹ تم کیوں اداس ہو۔ آخر تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے؟" — اُسے طفلانہ جواب ملتا۔ "نہیں کچھ نہیں" اس کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور کبھی یہ مختصر و تشنہ الفاظ بھی آنسوؤں میں جذب ہو جاتے یا ہچکیوں کی آواز میں فنا ہو جاتے۔

ایک دن رکارڈو سے نہ رہا گیا اور شام کو جب وہ دونوں ناشتہ کرنے بیٹھے تو اُس نے کافی کی پیالی سے اُٹھتے ہوئے ابخرات کے دائرہ پر نظر گاڑتے ہوئے کہا "سسٹ! یقیناً تم مجھ پر ظلم کر رہی ہو۔ تمھارا مغموم ہونا اور اُس کے سبب کو مجھ سے پوشیدہ رکھنا انصاف سے بعید ہے تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے کس قدر الفت ہے۔ کیا تم میری آنکھوں سے میری دلی کیفیات کا اندازہ نہیں کر سکتیں؟"

سسٹ زار و قطار رونے لگی۔ "آہ تم مجھے کس قدر پیار کرتے تھے۔ لیکن اب وہ باتیں خواب و خیال ہو گئیں خوشی کی منور گھڑیاں

چشم زدن میں ختم ہوگئیں۔ بوس وکنار کے پر لطف ایام جاڑے کی بارش کی طرح آئے اور نکل گئے اور اب وہ وقت ہے کہ میں ہفتوں تمھاری نظر التفات کو ترستی رہتی ہوں اور تم نے مجھکو۔ ہاں اس کی آنکھیں کبھی تھیں صبح کے ستارے سے زیادہ منور اور چشم نرگس سے حسین تر معلوم ہوتی تھیں۔ جسکے خانہ دل میں تمھاری تصویر ابتک محفوظ ہے۔ جس کی عیش ومسرت کا انحصار صرف تمھاری ذات سے وابستہ تھا اپنے دل سے علحدہ کردیا۔ اور اس دلپر جسے میری ملکیت ہونی چاہئے تھا۔ آج ایک غیر حکومت کررہی ہے!"

"کوئی غیر کوئی غیر!!" رکارڈو دیواں کی طرح کرسی سے اچھل پڑا۔ سسٹ کوئی غیر؟۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ لیکن تمھارے دل میں الوجیا کا خیال ابھی تک باقی تو نہیں جس کی شان میں میں نے کسی زمانہ میں چند اشعار لکھے تھے؟۔ مگر سسٹ وہ تمھاری ملاقات سے بیشتر کی بات تھی۔

سسٹ نے سر ہلا کر آہستہ سے کہا "نہیں میں اس کا ذکر نہیں کررہی"

توکیا تم متمول جبریلا، کا خیال کررہی ہو۔ وہ جس کی سیاہ زلفیں تابہ کمر پہنچتی تھیں جسکا مجسمہ میں نے طیار کیا تھا؟"

"........"

پھر کیا رقاصہ توسا کا خیال تمھارے لئے جانکاہ ثابت ہورہا ہے۔ وہ جس کی فسوں ساز آنکھیں ایک زمانہ کو اپنا ہدف بنا چکی ہیں

"نہیں .... ان میں سے ایک بھی نہیں"۔

حیرت ہے تعجب ہے" رکارڈو نے کرسی پر دراز ہوتے ہوئے کہا ——— پیاری سسٹ مجھے نہ کڑھاؤ۔ مجھپر اصلی حقیقت ظاہر کردو" اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا "آخر تم کس کمبخت کا ذکر کررہی ہو۔ بولو۔ جلد بولو۔ تم جانتی ہو کہ میں کس رخ انور کا پروانہ ہوں۔ میرے دل میں کسی اور کا خیال جاگزیں ہونا۔ ناممکن بعید از قیاس"

"کیا تم واقعی اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"ہاں۔ اور تم اس امر سے بخوبی واقف ہو!"

رکارڈو کی آنکھیں محبت کے نور سے چمکنے لگیں ان چند جملوں کو اُس نے اس پیرایہ میں ادا کیا کہ سسٹ کا دل بھر آیا اور وہ آنسو پوچھتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا تو میں اپنے رقیب سے بدلہ لونگی۔ اس مکان میں یا وہ رہیگی یا میں۔ تمھیں اختیار ہے۔ تم منتخب کرلو۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ تم میری پرستش کرتے ہو۔ کیا تم اس کا خیال اپنے دل سے نکالنے پر آمادہ ہو۔ جو میری اقلیم محبت کو تاراج اور عشرت کدہ کو منغص کررہی ہے؟ کیا میں تمھاری محبت پر اعتماد کردوں اور امید کروں کہ تمھارے دل میں اب بھی میری وہی قدر ومنزلت ہے جو پہلے کبھی تھی؟"

"ہاں۔ یقیناً۔ ضرور" ——— اس نے پھر اپنی کافی کی پیالی اُٹھالی۔

اُس نے مشکل سے دو ایک گھونٹ پئے ہونگے کہ پاس کے کمرہ میں زور کا دنا کا ہوا۔ اور کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ اس طرف

لپکا۔ اور اس کی آنکھیں ایک عجیب منظر سے دوچار ہوئیں۔ چین کی ملکہ کا اسباب آرائش اس کے سنہری لیس اور خوشنما پردے زمین پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ خود سسٹ کے قدموں تلے منتشر ٹکڑوں کی صورت میں پڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔

سسٹ کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ ایک طرف ہانپتی ہوئی کھڑی تھی۔ رکارڈو کو دیکھتے ہی اُس نے دوڑ کر اُس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور نہایت جوش کے ساتھ بولی۔ پیارے رکارڈو۔ میں نے اپنے رقیب سے انتقام لے لیا۔ دیکھو دیکھو۔ میں نے آج اس غلبۂ محبت۔ چین کی ملکہ کا خون کر ڈالا!" ——— اس کے نقرئی قہقہوں سے سارا کمرہ گونج اُٹھا۔

اور جب ہفتوں کی کشیدگی کے بعد آسمانی رنگ کے سلوں میں دو ہستیاں بوسۂ محبت سے پیمان الفت کی تجدید کر رہی تھیں سسٹ کی عزیز بلبل ہنستے ہنستے بیخود ہو گئی!

ممتاز اشرف قادری　　(اسپینی لٹریچر)

کلیات و دواوین (اُردو)

دیوان میر حسن دہلوی نہایت درد انگیز کلام ہے۔ ہر شعر سے اُستادی اور قادر الکلامی ٹپکتی ہے ۶ر

دیوان مردان صفی تصوف کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے ۵ر

کلیات مومن - مومن کے کلام کی شوخی مشہور عام ہے اس میں اُن کی مثنویات بھی شامل ہیں عہ ر

کلیات ظفر ہر چہار جلد کامل دو جلد۔ سنگلاخ سے سنگلاخ زمینوں میں نہایت روانی کے ساتھ غزلیں لکھی ہیں از ابوظفر سراج الدین بادشاہ آخری دہلی ۱۲ر

دیوان ناسخ - استعارات اور تشبیہ میں اُن کا کلام اپنی آپ نظیر ہے از شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی عہ ر

کلیات میر تقی میر - تعریف فضول ہے کل شعرائے ماضی و حال کے پیشوا مانے جاتے ہیں اور زمانہ اُن کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے اس کلیات میں ان کا تمام کلام مثنوی رباعی قطعات وغیرہ کے اقسام سے موجود ہے ۸ر

کلیات سودا - ہجوگوئی کے بادشاہ اور قصیدہ کے اُستاد ہیں میر تقی میر نے بھی ان کو شاعر مانا ہے ہر قسم کا کلام اسمیں موجود ہے ۸ر

کلیات نظیر اکبرآبادی - ہر رنگ میں فرد تھے جملہ اقسام کا کلام ان کی کلیات میں موجود ہے عہ ر

گلزار داغ - زبان اور محاورات دہلی کا معدن ہے ۸ر

دیوان رند از سید محمد خاں صاحب رند نہایت پختہ اور متین کلام ہے ۹ر

دیوان غالب - مشہور و مقبول ہے از تصنیف شاعر کامل مرزا اسد اللہ خاں غالب اس کتاب کو نہایت صحیح کر کے ۲۰/۳۰ تقطیع پر چھاپا گیا ہے اسمیں مشکل الفاظ کے معنی و اقعہ طلب اشعار کے واقعات کا اضافہ کیا ہے۔ ایک چھوٹا سا مقدمہ جس میں مصنف کی سوانح عمری درج ہے اول میں لگا دیا گیا ہے اور اس کلام کا اضافہ کیا گیا ہے جو جدید دستیاب ہوا ہے غرضکہ یہ دیوان نہایت عمدہ حیثیت میں آگیا ہے ٹائیٹل سبز رنگین گندہ ۴ر

دیوان ذوق - اسمیں جدید کلام کا بھی اضافہ کیا گیا ہے - ۱۲ر

صنم خانہ عشق یعنی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کا دیوان مطبوعہ غیر ۱۲ر

(مینجر نگار)

دنیا کی مشہور الہامی کتابوں پر تاریخی نظر

قرآن کا فلسفۂ تعلیم

اے روح بہر جستجو سر سازہمچون آب جو
دمے عقل بہر آن بقا، دائم بر در راہ فنا
(شمس تبریز)

مراتب ذوق، اور مدارج کاوش کے لحاظ سے، ہر انسانی زندگی میں، ایک ایسی ساعت بھی ہوا کرتی ہے، جب تعلقات و مخلوق کے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کا مسئلہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ جب انسان اپنے ارتقائے ذہنی کے گہوارہ میں تھا، اس وقت بھی یہ خیال اس کے دماغ میں پیدا ہوا، اور جب اس نے تہذیب و تمدن کا ایک کافی زمانہ گذار دیا اس وقت بھی اسکا دماغ اس شاہد خیال کی عشوہ طراز نگاہوں سے معمور رہا۔ انسان نے اپنے ناخن فکر سے اس عقدہ لاینحل کو کھولنا چاہا، قوموں کے ضمیات (میتھالوجی) ملتوں کے عجیب و غریب روایات فلسفہ کے مختلف مسالک، اور صوفیا کے مختلف طبقات اسی کاوش ذہنی کی پیداوار ہیں، ہاں اس صحرائے ناپیدا کنار میں، نوع انسان کی رہنمائی، اور طریق رشد کے لئے خود اس مطلوب کائنات کی طرف سے "الہام" کی شکل میں ایک تدبیر سامنے رہی، لیکن ذہن انسانی کی عجائب نوازیوں، اور اس کے افکار کی پرپیچ رہنوردیوں نے "الہام" کی سادگی اور علم کے صحیح خط و خال کے درمیاں ندرت آفرینیوں کے سینکڑوں حجابات پیدا کر دئے۔ یہاں تک کہ آج اس کرۂ ارضی کے ایک کنارہ پر جب ایک جویائے حق کھڑا ہوتا ہے تو اُسے مذہبی فرقہ بندیوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے، اس سلسلہ کا ہر رکن اپنی حقانیت کا مدعی ہے اور بقیہ ارکان کا سخت مخالف۔ پھر قدرتاً ایک محقق کے سامنے حق و باطل کے امتیاز کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اگر مذہبی تعلیم کے خصائص کا مطالعہ کیا جائے، تو سب سے پہلے ایک انسان کے سامنے دنیا کی بے شمار زبانوں کی تحصیل کا اہم مسئلہ سامنے آتا ہے۔ حیات انسانی کی مختصر مدت اس تلاطم میں پڑکر گم ہونے کی اجازت نہیں دیتی اور اس کے سوا چارہ بھی نہیں، پھر چونکہ مذاہب کا تعلیمی موازنہ کرنے میں، کسی مذہب کی اصلی زبان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور استقصاء، تسکین قلب کا سامان نہیں پیدا کر سکتے۔ لہذا ایک دوسری صورت اختیار کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ کہ آیا مدعیان مذہب کے الہامی صحیفے تاریخی دنیا میں، سند و اعتبار کی حیثیت رکھتے بھی ہیں یا نہیں، اگر دنیا کی تاریخی شہادتیں ثقہ روایات اور صحیح نظریات بتائیں کہ دنیا کے الہامی صحیفوں کو اپنی زندگی میں فلاں فلاں پرصعب مراحل سے گذرنا پڑا ہے تو تنقید صحیح کے بعد ایک محقق کسی مسلک پر گامزنی کی جرأت کر سکتا ہے۔

آئندہ اوراق میں تاریخ کے اسی حصہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور روایات کی غیر جانبدارانہ شہادتوں کی بنا پر ثابت

کیا گیا ہے کہ دنیا کے تمام صحف الہامیہ کے اصلی نسخے گم ہو گئے، صرف قرآن مجید اس تفضیع سے محفوظ رہا، اور اسے عقلی اور نقلی براہین سے ثابت کیا گیا ہے، وید ہزاروں برس زبانی رہے، ژند و ستا پر یونانی جبر و استبداد کا اثر پڑا، بنی اسرائیل کے مقدس صحیفے مصر و بابل کی شورش میں ضائع ہو گئے، جین مذہب کے صحیفے اول تو ایک مدت مدیدہ کے بعد پارسوا اور مہاویر کے زمانہ میں مدون ہوئے انھیں بھی حوادث روزگار کے امواج نے ضائع کر دیا، بدھ اور لاؤزی کے مذہبی صحیفوں کو لوگوں نے ان کی وفات کے سینکڑوں برس کے بعد مرتب کیا، جسکے باعث ان کی صحت، بہت مشکوک، اور ناقابل اعتبار ہے، قرآن کی صحت پر بھی اس ضمن میں بعض مغربی علما نے تنقید کی ہے، لیکن عقلی اور نقلی دلائل سے اُن کی تنقید پر تنقیحی روشنی ڈالی گئی ہے۔

قرآن مجید نے جماعات انسانی کے مختلف الہامی صحیفوں کی حقانیت تسلیم کی، لیکن یہ بات اکثر افراد کو کھٹکتی ہو گی، کہ اس نظریہ میں تنظیم جماعات اور تالیف قلوب کے سوا، اور کوئی بات نظر نہیں آتی، قرآن مجید کہتا ہے،

"قل امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم"

(اے نبی صلعم) فرما دیجئے، ہم اللہ پر، اور جو ہم پر اتری، اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتری اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ، اور جو کچھ نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ایمان لائے، ان میں ایک سے بھی ہم اختلاف نہیں کرتے،

ہم اُن کی تصدیق بھی کریں، ان کی الہامی خصوصیت کو بھی مان لیں، پھر بھی ہم میں اور ان میں مذہبی اشتراک عمل مفقود، اس کا سبب؟ یہ مضمون قرآن مجید کے اسی نظریہ کی تفسیر ہے، یعنی جماعات انسانی کے اکثر مذہبی صحیفے من جانب اللہ تو ضرور ہیں لیکن وہ اپنی اصلی شکل میں نہیں،

ماخذ اور چند اہم کتابوں کی تلخیص میں نے اس مضمون کے تاریخی حالات مفصلہ ذیل کتب سے لئے ہیں۔

نام کتاب	مصنف	کیفیت
مختصر معلومات متعلق مذہبیات	میجر جنرل جے جی آر فارلنگ	یہ کتاب ایک ضخیم جلد میں ہے اور گیارہ ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب میں ہندوستان کی قدیم تاریخ، اقوام ہند کے عروج اور انکے استقرار کے متعلق ہے، اس میں ثابت کیا گیا ہے، کہ ہندوستان کی تہذیب پر صرف آریہ قوم ہی کا اثر نہیں پڑا ہے بلکہ ڈریوڈ قوم کی ذہنیت کا بھی دخل ہے، دوسرے باب میں جین اور بدھ مذہب پر ایک تاریخی، اور فلسفیانہ بحث کی گئی ہے، تیسرے باب میں فارس کے مشہور مدعی نبوت زردشت اور اس کی کتاب ژند و ستا کے متعلق مبسوط تحقیقات

پیش کی گئی ہے، چوتھے پانچویں، اور چھٹے ابواب میں، ہندو مذہب ویدانت، اور چین کے مشہور روحانی رہنما "لاؤ زی" اور کانفیوشیس کے حالات زندگی اور ان کے طریق رشد و ہدایت پر ایک موضوع تبصرہ ہے۔ ساتویں، آٹھویں اور نویں ابواب میں، انبیائے بنی اسرائیل ان کے حالات زندگی اور ان کے صحف الہامی سے متعلق تحقیق اور دقت نظر سے مواد جمع کئے گئے ہیں؛ خصوصیت کے ساتھ نواں باب نہایت دلچسپ ہے جس میں بنی اسرائیل کے کتب سماوی کے ضائع ہو جانے، اور اصل سے موجودہ نسخوں کے مختلف ہونے پر تاریخی واقعات سے استشہاد کیا گیا ہے، دسویں باب میں آنحضرت صلعم کی زندگی ہے، قرآن مجید پر نقد و بصر کیا گیا ہے، اور مکہ کی تاریخ لکھی گئی ہے، گیارہویں باب میں مذاہب کی تعلیم کے منتخبات نظم میں درج ہیں

یہودی فلسفۂ اسکندریہ   ڈرامنڈ —— یہ کتاب دو جلدوں میں ہے "فیلو" یہودی مذہب میں اسی پایہ کا عالم گذرا ہے، جس پایہ کے اسلام میں علمائے معتزلہ تھے۔ ایک حد تک اسے امام رازی سے مشابہت دی جا سکتی ہے، کیونکہ فیلو یہودیوں میں ایک زبردست متکلم تھا، پہلی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ اس کتاب کے اندر فیلو کے وہ نظریات ہیں جو اُن سے یہودیت کی تشریح میں اصول فلسفہ و منطق، یا بہ الفاظ دیگر علوم یونانیہ کو ملحوظ رکھکر پیش کیا ہے،

ڈکشنری آف دی بائبل   جیمس ہیسٹنگس —— یہ کتاب چھوٹے ٹائپ کے اندر ایک ضخیم جلد میں ہے، لفظ "بائبل" کے ماتحت مصنف نے قابل قدر مباحث لکھے ہیں، میں نے اسی کا خلاصہ ترجمہ کیا ہے، اور ان واقعات کو نظر انداز کر دیا، جو اُس نے بنی اسرائیل کے مذہبی کتب کے مختلف حصوں اور ان کے موضوع بحث کے متعلق لکھا ہے۔ اُس نے مصطلحات "اولڈ ٹیسٹمنٹ"، اور "نیو ٹیسٹمنٹ" کی وجہ تسمیہ بتائی ہے اور اُن کی تاریخ لکھی ہے، اس کے بعد ان کتابوں کے نام گنائے ہیں جو اُن میں شامل ہیں یہ بھی لکھا ہے، کہ

یہودی ان میں کتنی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور نصاریٰ سے انھیں کن کتابوں کے متعلق اختلاف ہے۔

مقدس صحف مشرقیہ — میکس مولر —— یہ کتاب مشرق کے مذہبی صحیفوں کی چوتھی جلد ہے۔ اور اس میں "وندیدات" کا پہلوی نسخہ ہے جو ژندوستا کا ایک حصہ ہے، اس کا مقدمہ ڈارمسٹیٹر کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

تصوف کے متعلق فارسی اور عربی میں کتابیں بکثرت ہیں، لیکن مینے قران مجید کے صوفیانہ و نفسیاتی اصول کو زیادہ تر انگریزی تصنیفات کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے، اس سلسلہ میں میکڈ نلڈ کی "دی رلجس ایٹیچیوڈ اینڈ لائف ان اسلام" (اسلام میں مذہبی طور اور زندگی) اور نکلس کی بہترین تالیفات "صوفیائے اسلام" اور مقدمہ دیوان شمس تبریز مطبوعہ کیمبرج" سے کافی مواد حاصل کئے گئے، میکڈ نلڈ عربی علوم کا ایک مایہ ناز مستشرق گذرا ہے، اسلامی فقہ وحدیث وغیرہ کے متعلق بھی ایک مشہور تصنیف مشہور تصنیف ہے۔ جو اس نے متذکرہ بالا تصنیف کے قبل لکھی تھی، "اسلام میں مذہبی طور اور دینی زندگی" کے اندر اس نے زیادہ تر علامہ ابن خلدوں کے مقدمہ تاریخ، اور امام غزالی کی احیاء العلوم الدینیہ سے صفحات کے صفحات ترجمے نقل کئے ہیں، یہ تراجم عموماً خود اس کی ہمت طالبعلمانہ کا نتیجہ ہیں بعض مقامات میں اس نے ڈی سلین کے انگریزی ترجمے سے بھی مدد لی ہے، ڈی سلین کے شغف علمی اور عربیت کا یہ عالم تھا، کہ اس نے ابن خلکان کے وفیاۃ الاعیان کی ضخیم جلدوں کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا، یہ ترجمہ متعدد ضخیم جلدوں میں ہے پٹنہ کی اورینٹل لائبریری میں یہ انگریزی نسخے موجود ہیں، ایک جلد میری نظر سے بھی گذری ہے، جس میں بو علی سینا اور منصور وغیرہ کا تذکرہ ہے، ڈی سلین نے دوسری علمی خدمت یہ کی، کہ اس نے تاریخ ابن خلدوں کی ضخیم جلدوں کا بھی انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا، میکڈ نلڈ نے اپنی اس کتاب میں اسلامی جماعت کے ان افکار و احساسات کا تذکرہ کیا ہے، جو اسلام کے اصول مذہب میں نہیں، یا موجودہ صورت میں نہیں پائے جاتے، اس نے وحی اور الہام کے حقائق سحر و طلسم کے اسرار، کشف و کرامات کے عجائب، خواب اور عالم غیب کے معمے اسلامی اصول کے مطابق نہایت وضاحت سے دکھائے ہیں، اس کی کتاب کا نصف آخری حصہ تصوف کے متعلق ہے جسمیں اُس نے تصوف کے مختلف پہلوؤں پر عالمانہ اور محققانہ روشنی ڈالی ہے، نکلس کا ذوق فارسی و عربی مزید تعارف کا محتاج نہیں، موجودہ دور میں وہ ایک قابل قدر ہستی ہے، اس کی تصنیفات کا زیادہ حصہ صوفی ادبیات کے تراجم اور تشریحات کے متعلق ہے، نگار کی کسی اشاعت میں اس کی زندگی، اس کے کمالات علمی اور اس کی تصنیفات پر جامع بحث کیجاوے گی، جس کا ایک حصہ خود اُس کے ملفوظات میں ہوگا "صوفیانہ افکار" کی توضیح میں مینے انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا" اور "انسائیکلو پیڈیا آف رلجن اینڈ اتھکس" (دائرہ معارف مذہب و اخلاق) سے بھی مدد لی ہے،

نفسیاتی افکار کی تصریحات میں خاکسار کا بہترین مطمح نظر" میک ڈوگل" اور "ولیم جیمس" ہیں، جن کی تصنیفات "نفسیات اجتماع اور مبادی نفسیات" کا مطالعہ فلسفہ نفس کے ایک طالب علم کے لئے ناگزیر ہے "نفسیات کے متعلق تصریح نفسیات (Psychol-

analysis -) کی بھی ورق گردانی کی گئی۔ ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہتری کتابیں زیر مطالعہ آئیں، جن کے اقتباسات مضمون کے اندر ملیں گے،

فارلنگ نے اپنی کتاب میں جین مذہب کو سب سے قدیم تسلیم کیا ہے، اس لئے مذاہب عالم کی مختصر تاریخ میں وہی ترتیب یہاں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

جین مذہب

جین مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے چوبیس مذہبی رہنماؤں کے نام بتاتے ہیں، جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ظاہر ہوئے، ان کے نام ہیں، رشابھا، اجیتا، سمبھارا، ابھینندانہ، سوماتی، پدما پربھا، سوپرسوا، (سپارس) چندرا پربھ پشپا دندتہ، یا سوبدھی، ستیالہ، سری ینسہ، دسو پوجیا، دیمالہ، انتا، دھرما، سانتی، کنتھو، ارا، ملی، سورتا منی، نم (یا نمی) نیمی (دیا) ارشتہ نیمی، پرسوا، وردھ منا، ویرا، (یا مہاویر دیا) سرامنہ اعظم، ڈاکٹر اسٹونسن، پرسوا کا زمانہ ۸۲۸ قبل مسیح بتاتا ہے، فارلنگ کہتا ہے، بائیسویں پیشوائے جین، یعنی "نیمی" کے اوپر کسی محقق نے تاریخی تعین کرنے کی جرات نہیں کی ہے، پھر بھی پہلا اور آخری تینوں پیشوایان مذہب حقیقی افراد تھے، اور آخری دونوں پارسوا، اور مہاویر تو تاریخی شخصیتیں ہیں۔ ان پیشوایان مذہب نے اپنی خاص خاص علامتیں مقرر کر لی تھیں، رشابھا نے سانڈ کی علامت مقرر کی تھی پرسوا نے سانپ کی اور مہاویر نے شیر کی علامتیں اپنے لئے تجویز کی تھیں،

ان تمام ارباب رشد و ہدایت کا زمانہ چار ہزار برس قبل مسیح سے لیکر پانچ ہزار برس ق۔م ہے فارلنگ نے اس ضمن میں نہایت افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان میں غیروں کی طرح کوئی ایسا نہ ہوا، جو ان واقعات کے منتشر عناصر کو تاریخی صورت میں مرتب کرتا۔ اس لئے مذہبی رسائل جو ان واقعات کا ماخذ ہیں وہ کم و بیش مشکوک ہیں اور ان کا اسلوب بیان بھی غیر ذمہ دارانہ ہے

پرسوا، اور مہاویر دونوں ممتاز علمی رہنما ہیں، جنھوں نے غیر مکتوبہ صحف الہامیہ پر نظر ثانی کی جنھیں پروا، یا قدیم کہا جاتا ہے اور جو یقیناً تمام شاستر، اپنشد اور شاید وید سے بھی قدیم تھے، "مقدس صحف مشرقیہ" کی بائیسویں جلد میں جاکوبی لکھتا ہے، کہ وہ بتدریج ضائع ہو گئے، چونکہ جنگ و فساد کے زمانہ میں حافظے معطل ہو جاتے ہیں اور مبلغین کا جوش تبلیغ بھی افسردہ ہو جاتا ہے اس کے بعد تین سو ساٹھ برس قبل مسیح میں مرتب کئے گئے،

مہاویر اور گوتم بدھ کی مماثلت

مہاویر کے زمانہ کے متعلق چنداں متعارض روایات نہیں پائی جاتیں، مغربی علمائے مغربی ہند کے سوتمبرا، فرقہ کی روایت پر اعتبار کر کے بیان کیا ہے کہ مہاویر نے ۵۲۶ء ق۔م۔ میں ۷۱ برس کی عمر میں انتقال کیا، اور اس لئے ظاہر ہے کہ ۵۹۸ء ق۔م میں اُن کی ولادت ہوئی، اس صورت میں گوتم بدھ، مہاویر سے ۳۱ برس چھوٹے تھے، چونکہ ان کی ولادت ۵۵۷ء ق۔م میں ہوئی تھی،

دونوں کو ۲۴ بدھ کہا جاتا ہے، گو بعض روایات سے پتہ چلتا ہے، کہ گوتم کو ۲۵ بدھ کہتے تھے، اس صورت میں گوتم بدھ، مہاویر کے جانشین مقرر ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ گوتم بدھ کے ایک پیرو، "انندا" کے بیان کے مخالف ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ گوتم کو ۲۴ بدھ سے

مخاطب کرتا ہے، "مقدس صحف مشرقیہ" کی جلد ستر امرتبہ اسٹونسن، اور "ابتدائی اشوک" مصنفہ ٹامسن میں اس کی تفسیر موجود ہے، گوتم نے خود بھی اپنے کو اپنے زمانہ کا ۲۴ بدھ کہا ہے، جین مذہب کے پیرو بھی گوتم بدھ کو مہاویر کا جانشین یا خلیفہ نہیں تصور کرتے۔ اس صورت میں جاکوبی نے مقدس صحف مشرقیہ میں گوتم بدھ اور مہاویر کو ایک ہی ذات ثابت کرنے کی لاطائل کوشش کی ہے، گوتم بدھ مہاویر کے عقاید وانکار کے سخت مخالف تھے، ان کے نزدیک عریان جسم، عزلت نشین زندگی، اور ترک دنیا جائز نہیں، جنہیں مہاویر سختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔

فارلنگ نے جاکوبی کی رائے پر جو ناقدانہ روشنی ڈالی ہے، وہ کتنی ہی صائب کیوں نہ ہو، لیکن بعض بانیان مذہب کی تاریخی زندگی بھی، مذاہب کے صحف الہامیہ کی طرح دور از کار خیالات، پارینہ اساطیر اور والہانہ جوشِ عقیدت سے مملو ہے، اس وقت دنیا میں یہ استغنائے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کسی پیغمبر کے حالات تاریخی اصول اور روایات کے تنقیدی معیار پر صحیح نہیں اتر سکتے، کئی سال ہوئے انجمن ترقی اردو پٹنہ سٹی" کے اعلان پر میں نے سرور کائنات کی ایک مختصر زندگی لکھی تھی، اس میں یہ بحث ضمناً آگئی تھی جسے یہاں نقل کر دیا جاتا ہے:-

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں، ہندو، مجوسی، بدھ، جینی، یہودی، مسیحی اور اسلامی مذاہب تاریخی لحاظ سے زیادہ قابل ذکر ہیں، غیر جانبدارانہ نظر ڈالتا ہے، تو مغربی علما کی تصانیف پڑھیے، ہنود میں تو سرے سے وید کے ملہم کا پتہ نہیں اور حق تو یہ ہے کہ وید اپنے ملہم کا مدعی بھی نہیں، مجوسیوں کے پیشوا، زردشت کے متعلق مستشرقین عجیب عجیب باتیں لکھتے ہیں، ایک انگریز مستشرق مولٹن اپنی تصنیف" ابتدائی مذہب زردشت" میں، زردشت کی تاریخ زندگی کے متعلق بھی دو قول بیان کرتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا زمانہ چھ سو برس قبل مسیح ہے، پروفیسر جیکسن لکھتا ہے، کہ زردشت دو ہزار برس قبل مسیح میں گذرا ہے، میکس مولر کے مرتبہ مقدس صحف مشرقیہ کی چوتھی جلد کے مقدمہ میں ڈارمسٹیٹر نے جونس کے وہ مباحث لکھے ہیں جنہیں اُسنے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ژند وستا کا موجودہ نسخہ زردشت کی الہامی کتاب نہیں۔ (اس کی بحث اسی مضمون میں شروما آئندہ اوراق میں ملیلی) اسی طرح جین مذہب کے پیشواؤں کی زندگی بھی تاریکی میں ہے۔ جینیوں کے روحانی قائدین ۲۴ کی تعداد میں ہیں ان میں تین آخری حضرات کے نام تاریخی روشنی میں ہیں، اور لقبیہ سب مذہبی روایات اور قدامت کی عجوبہ پسندی پر مبنی ہیں، ایک جینی یہ ثابت کرنے سے عاجز ہے کہ اس کے دین کا پہلا مبلغ کس زمانہ میں تھا، اور اس کے صحیح حالات زندگی کیا ہیں، فارلنگ لکھتا ہے، بدھ کے قبل بھی ہندوستانی فضا میں روحانی اور مذہبی مبلغین کا ایک سلسلہ تھا، جنھیں "بودھا" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے نہیں کہا جا سکتا، جو باتیں گوتم بدھ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، انھیں واقعۃً گوتم بدھ ہی سے نسبت ہے۔ یا ان سابقون الاولون، یعنی "بودھا" سے، اس کے برخلاف ارباب حدیث کی نکتہ آرائی، اور ان کے شوق طلب کی وسعت نے روحانیت کے اس قاید اعظم (نبی اخر الزمان صلعم) کی زندگی اس تفصیل سے لکھی کہ دنیا میں نہ تو پہلے کسی انفرادی زندگی پر ایسی مشرح اور مبسوط بحث ہوئی تھی، اور نہ اس کے بعد آج تک ہوئی، اس تقدیس کے مجسمہ اور عظمت وجلال کے

کے پیکر کے واقعات زندگی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے نہیں لکھے گئے بلکہ اس کی معمولی معمولی باتیں اس کے چاہنے والوں کی آنکھوں میں ایسی کھب گئی تھیں، کہ ان کی دلفریبیاں اور لذت آفرینیاں ان کی یاد کا جزو لاینفک بن گئیں، اور صدیوں تک زمانہ کے ہزاروں انقلاب، اور روزگار کی بے شمار دست برد کے باوجود لاکھوں انسانوں کے قلوب میں جلوہ فگن رہیں، قلوب سے گزرکر یہ واقعات اب قرطاس کے صفحات پر موجود ہیں، جنھیں ہم "احادیث" سے تعبیر کرتے ہیں حفاظ حدیث کی تاریخ دنیا میں اسلام کا عدیم النظیر اور حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ویدا اور ویدانت

فارلنگ، بارتھ کی کتاب "مذاہب ہند" کے حوالہ سے لکھتا ہے، کہ ویدونکی زبان، مضامین اور اوزان (بحریں) بتاتے ہیں کہ یہ مختلف زبانوں میں لکھے گئے، اور مختلف دماغوں کی جودت کا نتیجہ ہیں، رگوید کے ہر ایک مضمون کی ابتدا میں ایک رشی یا دیوتا کا نام ہے، جو اس مضمون کا مصنف قیاس کیا جاتا ہے وہ وید قدیم زمانہ سے لکھے ہوئے نہ تھے، بلکہ ہزاروں برس سینہ بہ سینہ رہے، کیونکہ مشہور نحوی "پانینی" کے زمانہ تک جو ۴۰۰ سنہ سے ۳۵۰ تک قبل مسیح گذرا، ہم لوگوں کو ہندوستان طریق کتابت کا قطعی ثبوت نہیں ملتا۔

کانفیوشیس اور لاؤزی

جس وقت ہند میں گوتم بدھ، اور مہاویر کا زمانہ تھا، اس وقت کسی قدر تقدم اور تاخر کیساتھ چین میں لاؤزی اور کانفیوشیس اپنے روحانی عقاید اور مذہبی فکر و احساس کی تبلیغ کر رہے تھے، لاؤزی کی الہامی کتاب "تاؤ" کے متعلق چوانگزو، اور منسیس کے زمانہ تک کوئی خبر نہیں، گو یہ کتاب لکھی ہوئی تھی، لیکن اس کا نشر و ابلاغ لاؤزی کی وفات کے بعد ہوا۔ یعنی اس کتاب کے زمانہ وجود کے تین سو برس کے بعد عوام میں اس کا رواج ہوا، یہی واقعہ بدھ مذہب کی کتاب "تریپیٹکا" کے ساتھ بھی ہوا، یہ کتاب بھی بدھا کی وفات کے دو سو برس کے بعد عوام میں رائج ہوئی،

کانفیوشس ۵۵۱ سنہ قبل مسیح میں پیدا ہوا، اور ۷۳ برس کی عمر میں وفات پائی، فارلنگ نے اس کی کسی الہامی کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے، لیکن اس کے واقعات زندگی کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس کی تعلیم الہامی نہ تھی بلکہ فکری جودت، اور سیاسی نکتہ رسی کی پیداوار تھی، کیونکہ حکومت چین کی طرف سے وہ افسر اعلیٰ (مجسٹریٹ) کی حیثیت سے عرصہ تک اپنے فرائض انجام دیتا رہا، ۴۸۱ سنہ قبل مسیح میں اس کا ایک شاگرد مرگیا تو اس نے تبلیغ اور اصلاح کا کام بھی ترک کردیا اور مدتوں عزلت نشینی اختیار کی، یہی حالت اس وقت بھی ہوئی جب اس کے بیٹے نے انتقال کیا، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ نوامیس ملکوتیہ کا حامل نہ تھا، بلکہ ماہر سیاست اور مدبر مملکت کی حیثیت سے اسے عوام کی اخلاقی اصلاح کا خیال پیدا ہوا جسے الہام تعبیر نہیں کرسکتے

ژندوستا کی تدوین اور اسکے تاریخی حالات

کتب سماوی کے تاریخی حالات کا مطالعہ کرنے میں ژندوستا، بنی اسرائیل کے صحف مذہبی اور قرآن مجید کے جمع و ترتیب کے حالات چونکہ زیادہ دلچسپ معلوم ہوئے اس لئے انہیں کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے:

فارلنگ لکھتا ہے کہ اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ گو ژندوستا اعلیٰ تعلیم سے کتنا ہی مالا مال کیوں نہ ہو لیکن کیا تاریخی حیثیت سے

اس کا موجودہ نسخہ قابل اعتبار بھی ہے یا نہیں؟ وستا کے ماننے والے تو مدعی ہیں، کہ باوجودیکہ زمانہ کے انقلاب نے ژند وستا پر آتش باری کی، اسیر غارتگری اور سرقہ کا بھی دسترس ہوا، لیکن پھر بھی اصلی نسخہ زمانہ کے دست برد سے محفوظ رہا، یہاں تک کہ اسکندر اعظم کے حملہ آوروں نے بھی فخریہ کہا ہے، کہ انھوں نے جب فارس پر چڑھائی کی، تو اپنے ساتھ علما کی ایک منتخب جماعت رکھلی تھی، جن کا کام تھا کہ وہ اس قسم کی مکتوبات جمع کریں اور ضائع ہونے سے بچالیں، چونکہ یہ اقوام کا مشترکہ خزانہ ہے یہ جماعت ایک کامل نسخہ کی دستیابی میں کامیاب ہوئی، (فارنگ کے قول کے مطابق یہ نسخہ پہلوی زبان کی مکتوبات سے مرتب ہوا تھا، حالانکہ ژند وستا کی اصلی زبان پہلوی نہ تھی بلکہ پنجین تھی) اس سے ارمنی اور یونانی زبانوں میں چند نسخے مرتب کئے گئے، پیروان زردشت کا دعوی ہے کہ ان کی کتاب کبھی بالکل ضایع نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ۳۳۰ء قبل مسیح میں جب اسکندر اعظم نے فارس کے پایہ تخت کو غارت کردیا، جب بھی وستا محفوظ رہا، جس طرح یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے صحیفے اہل بابل کے حملوں میں غارتگری سے محفوظ رہے، ان کا دعوی ہے کہ اللہ تعالی نے عزرا کی وساطت سے صحف بنی اسرائیل کو نشاۃ جدیدہ عطا کی،

تمام روایات کا اتفاق ہے کہ ژند وستا کا اصلی نسخہ سترہویں صدی قبل مسیح میں خود زردشت نے گشتاسپ کے دربار میں پڑھا اور یہ ایران کا پہلا شہنشاہ تھا جسنے مجوسی مذہب اختیار کیا اور اس لئے اپنے پیغمبر کی طرح مشکلات کا سامنا کرنا پڑا گشتاسب نے اصل نسخہ سے متعدد نقلیں مرتب کرائیں اور خزانہ شایگاں میں بھجدیں اور حکم دیا کہ نقل کتابت ہوتی رہے، اور عوام میں تقسیم ہوا کرے، ایک مشہور نسخہ قلعہ کے اندر "مکتوبات نادرہ" کے ساتھ محفوظ کرلیا گیا، مجوسی روایات سے پتہ چلتا ہے، کہ یہی نسخہ جلایا گیا تھا، خزانہ شایگان کا ابتدائی نسخہ جو پہلوی زبان میں تھا، یونانی حملہ آوروں کے ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے یونانی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، ڈارمسٹیٹر لکھتا ہے کہ حکومت یونانی کے زمانہ میں فلسفیانہ "نسک" کے نوسو پانچ ابواب میں سے صرف ایک سو اسی غائب ہوئے۔

اسکندر اعظم کا زمانہ ۳۳۰ء ق م اور ژند وستا کی بربادی

"نسک" کے ۲۱ ضخیم جلدوں میں سے بہتری جلدیں اسکندر اعظم کے ہنگامہ قتل و غارت میں ضائع ہوگئیں لیکن مذہبی پیشواؤں نے بڑی تیزی اور انہاک سے جمع و ترتیب کا کام شروع کردیا اور انھوں نے ایک حد تک اس تضیع کی تلافی بھی کی، اور انھوں نے حفاظ ژند وستا سے سن سنکر ذخیرہ جمع کرلیا ان لوگوں کو قدیم برہمنوں کی طرح ژند وستا زبانی یاد تھا، اس وقت ژند وستا کے پندرہ "نسک" جمع ہوگئے۔ انمیں سب سے اہم وندیدات کا پہلوی نسخہ تھا، جو ہمیشہ مکمل رہا اور ضائع ہونے سے بچ گیا، اسی کو ڈارمسٹیٹر اور وسٹ نے انگریزی میں ترجمہ کیا، ساتھ ہی تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ یونانیوں نے ژند وستا کا مکمل ابتدائی نسخہ پالینے کا دعوی کیا، اور یہ ۲۱ نسک تھے جنھیں یونانیوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کرڈالا،

اقتدار سلیوقس ۳۱۲ء ق م

وستا کی زندگی کا یہ نہایت اہم دور تھا، چونکہ بلاشبہ یہ یونانی سلطنت وستا کا وہ مسروقہ اصلی نسخہ رکھتی تھی، روایت کیا جاتا ہے کہ اس خاندان کے فرمانرواؤں نے بڑی مستعدی سے مکتوبات

کے جمع کرنے کا حکم دیا، اور انھیں مغربی زبانوں میں ترجمہ کرایا۔

اقتدار دولت پارتھی

اس خاندان کے فرمانروا بھی پرجوش پیروان زردشت تھے، اور انھوں نے اپنے ممالک محروسہ اور اس سے باہر تمام مقامات سے اپنی الہامی کتاب جمع کرنی شروع کی، لیکن انھوں نے اسے اپنے پارتھی زبان میں ترجمہ کرایا۔

خاندان بطالسہ

۲۵۰ سے ۲۲۰ ق م تمام عالم میں مذہبی صحیفوں کے جمع و ترتیب کا زمانہ تھا، چنانچہ اسوک اعظم جسے "قسطنطین مذہب بدھ" کہا جاتا تھا۔ بدھ مذہب کے صحیفے جمع کر رہا تھا، اور خاندان بطالسہ کا ایک فرمانروا، بطلیموس فلاڈلفس حکمران مصر، ایشیا کی تمام ادبیات جمع کر رہا تھا اور انھیں ترجمہ کرا رہا تھا۔

خاندان ارسکی اور ساسانی خاندان (۲۲۶ء تا ۲۵۰ء)

۵۰ء میں خاندان ارسکی کے ایک فرمانروا "والخش" نے وستا کے مکتوبات پھر جمع کرنا شروع کئے، ۲۲۶ء سے ۲۵۰ء تک ساسانی خاندان کے بانی آردشیر بابگاں نے مجوسیت کی ترویج اور استحکام میں نہایت سعی کی، اس نے تانسر نامی ایک مذہبی عالم کو اس کام کے لئے مستعد کیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں وستا کی ضخیم جلدوں سے ایک سرکاری خلاصہ مرتب کیا گیا۔ شاپور ثانی کے عہد میں وستا کے احکامات کا ایک جدید خلاصہ ترتیب دیا گیا، اور اعلان کیا گیا کہ مجوسی صحف الہامیہ کے اصلی نسخوں کے تراجم موجود ہیں، نوشیرواں عادل کے زمانہ ۵۳۱ء تا ۵۷۹ء تک یہی خیال متداول رہا۔

ژندوستا کا سب سے پہلا یورپی ترجمہ اور علمائے مغرب کے مناظرے

۱۷۵۴ء میں پیرس کے "مجمع السنہ مشرقیہ" کے ایک نوجوان رکن، انکوٹل نامی نے جس کی عمر اس وقت بیس برس کی تھی، "اکسفورڈ کے "وندیدات" کے چار اوراق [illegible] دیکھا، اس نے ارادہ کیا کہ وہ بھی فرانس کے لئے زردشت کی الہامی کتابیں، بہم پہونچائے، اور ان کا سب سے پہلا مغربی ترجمہ شائع کرے حکومت نے بھی اس کی مدد کا وعدہ کیا، لیکن وہ نہایت بیقرار تھا، آخر کار اس نے فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک پرائیوٹ سپاہی کی حیثیت سے اپنا نام درج کرا لیا، اور ۱۷۵۵ء میں ۲۲ فروری کو "لورینٹ" سے روانہ ہوا، تین برس کی صعوبت بلاکشی کے بعد خطرات سے بچتے ہوئے (چونکہ اسوقت فرانسیسیوں اور انگریزوں میں لڑائی ہو رہی تھی) وہ سورت میں آیا جہاں تین برس تک پارسیوں کے ساتھ مقیم رہا۔ فریزر کی طرح اسے بھی بے اعتمادی اور ناخوشگواری کا سخت مقابلہ کرنا پڑا، جس سے فریزر برداشتہ خاطر ہو گیا تھا۔ لیکن انکوٹل کو اس میں کامیابی ہو گئی۔ اور آخر کار پارسیوں نے اپنے کتاب بھی دی اور اپنا دینی علم بھی سکھایا، ۱۴ مارچ ۱۷۶۴ء میں وہ پیرس واپس آیا، اور اس نے اسی دن شاہی کتب خانہ میں ژندوستا کامل، اور دوسری مذہبی کتابیں (متعلقہ اخبار و احادیث) داخل کیں، اس نے دس سال تک اس مجموعہ مواد کا مطالعہ کیا، اور ۱۷۷۱ء میں ژندوستا کا مغربی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ شائع کیا، اس اشاعت کے ساتھ ایک پرشور بحث و جدل شروع ہوا، چونکہ علمی دنیا کا نصف حصہ وستا کی صحت کا منکر تھا، اور اسے وہ جعلی تصور کرتا تھا، ان شورش پسند مجادلوں میں ولیم جونس تھا جو آگے چل کر

"رائل ایشیاٹک سوسائٹی" کا بانی ہوا، وہ آینکوٹل کے محقرانہ لہجہ سے متاثر ہوا تھا جو اس نے ہائڈ اور دوسرے انگریز علما کے متعلق اختیار کیا تھا، اس نے فرنچ میں ایک رسالہ شائع کیا، اور اس میں دکھایا، کہ جس کتاب میں ایسی سفیہانہ حکایتیں ایسے احمقانہ قوانین، وضوابط، اور جبین دیوتاؤں اور شیاطین کے ایسے دور از کار مباحث ہوں نہ زردشت کی الہامی کتاب متصور نہیں ہو سکتی اور نہ وہ اس مذہب کا آئین عمل ہو سکتی ہے جو اپنی سادگی، عقل، اور صفائی کے لحاظ سے ایسا معروف تھا، اسنے نتیجہ نکالا کہ وستا کا یہ نسخہ کسی جدید تخیل کا نتیجہ ہے، جونس کی آواز پر انگلستان میں چارڈین اور رچارڈسن کی ہمنوائیوں نے صدائے بازگشت کا کام کیا، جرمنی میں بھی ایک شخص "مینیرس" نے جونس کے نظریہ کی تائید کی رچارڈسن نے علم السنہ کے اصول پر دکھایا کہ وستا عصر جدید کی ذہنی پیداوار ہے، اُسنے دکھایا کہ عربی الفاظ کی ایک خاصی تعداد ژند اور پہلوی زبانوں میں پائی جاتی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ چونکہ فارسی زبان کے محاوروں میں عربی عناصر کا داخلہ ساتویں صدی کے قبل نہ تھا، اور پھر لغت و قواید کے اعتبار سے ژند اور فارسی کے بنیادی امتیازات دکھائے، جرمنی کے مینیرس نے یہ بحث پیدا کی، کہ وستا کے موجودہ نسخوں میں ایسے بے شمار اشجار، حیوانات اور انس وجن کے اسماء پائے جاتے ہیں جو قدیم اہل فارس کو معلوم نہ تھے۔ اور پھر ان حیوانات اور اشیا کے نام گنائے جو وستا میں موجود ہیں اور دکھایا کہ پہلے اہل فارس کو یہ معلوم نہ تھے، کیونکہ کسی قدیم عالم تحریر میں ان کا پتہ نہیں ملتا یا کم از کم، اہل فارس ان کی پرستش نہ کرتے تھے۔

تھیوکر نامی ریگا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے، اینکوٹل کے نظریہ اور وستا کے فرنچ ترجمہ کی تائید کی، اسنے فرنچ ترجمہ سے وستا کا ایک جرمنی ترجمہ مرتب کیا، اور اینکوٹل کے تاریخی مباحث کا بھی ترجمہ کیا، اس کے بعد اپنے سلسلہ مباحث میں اسنے دکھایا کہ ژند و وستا کا یہ صحیح نسخہ ہے، اس کے بعد علم السنہ کے اصول پر دکھایا کہ وستا میں عربی لغت کے عناصر موجود نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ اسمیں صرف سامی لغت کے ارمنی زبان کے عناصر پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ساسانیوں کے زمانہ میں ارمنی خطہ سے مملکت فارس کا نزدیکی تعلق ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے دکھایا کہ عربی لغت صرف ان کتابوں میں پائے جاتے ہیں، جنکے متعلق پارسی روایات خود دال ہیں کہ یہ جدید ہیں۔

ایک اور مغربی عالم نے وید کو ژند وستا کا ماخذ قرار دیا ہے، ایک نے اس کی تردید کی ہے، اور کہتا ہے کہ اس میں پراکرت اور پالی لغات پائے جاتے ہیں، (تفصیل کے لئے مقدس صحف مشرقیہ جلد چہارم دیکھئے)

بنی اسرائیل کے الہامی صحیفے اور ان کی تضییع و تدوین۔

فارننگ لکھتا ہے، بطلیموس فلاڈلفس، حکمران مصر کو بنی اسرائیل کے الہامی صحیفے مل گئے جنھیں اُسنے یونانی میں ترجمہ کرایا، اور یہی مسیحیوں کا قدیم بائبل ہے، بطلیموس کے اس نسخہ کے سوا، بائبل کے تمام اصلی نسخے گم ہو گئے، جو نیم دباغت شدہ کھال کے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔ دور وسطیٰ میں اسی یونانی نسخہ سے علمائے یورپ نے دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا، اصلی نسخہ ۴۸ ق۔م میں بطلیموس کے کتب خانہ کے جلتے وقت جو "بروشیم" میں تھا، ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گیا۔ اور کوئی نطق خداوندی نہیں رہا جو

تیسری صدی سے پہلی صدی قبل مسیح تک موجود تھا' اور جن سے یہ ترجمہ مرتب کیا گیا' یہ امر صرف علما کو معلوم ہے' اور علما بھی اسکے اعلان سے احتراز کرتے ہیں، پادریوں کا کیا کہنا؛

ڈرامنڈ "یہودی فلسفہ اسکندریہ" جلد اول میں لکھتا ہے' اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ (توریت وغیرہ) اسکندریہ کی ذہنی پیداوار ہے شاید ہم لوگ صحیح معنی میں اسے سلسلہ تصنیفات کہہ سکتے ہیں چونکہ یہ مختلف ہاتھوں کی وساطت سے ہم لوگوں تک آیا ہے اور مختلف زبانوں میں اس کے ترتیب وار حصوںکا ترجمہ ہوا' توریت وغیرہ کا یونانی نسخہ، جیسا کہ اچھی طرح معلوم ہے، عبرانی نسخہ کی حقیقی نیابت نہیں کرتا، چند مقامات میں اس قسم کی تحریفیں ہوئی ہیں، کہ جنھیں صرف یہی کہا جا سکتا ہے، کہ مترجمین نے عمداً قدیم الہامی صحیفوں کو موجودہ فلسفہ یونان کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے' اور [illegible] نے ان تمام محرفہ مقامات اور فلسفیانہ تاویلات کو ثابت کیا ہے کہ یہ محض علمائے اسکندریہ کی ذہنی اور فکری جودت کا نتیجہ ہیں' اس کے بعد (Danne) نے ان محرفہ مقامات کی مثالیں پیش کی ہیں، ڈرامنڈ Gfrorer اور Zeller کے استدلالی نظریات اور استنباط نتائج کے بعد لکھتا ہے، کہ واقعہ یوں ہے کہ ترجمہ میں یونانی فلسفہ کے نظریات کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ اس دور میں یہودیوں کا ذہنی رجحان ہی تھا، کہ وہ کتب سماوی کو نئی روشنی کے مطابق بنانے کی سعی کرتے تھے، چونکہ مترجمین اس زمانہ میں تھے، جبکہ فلسفہ یونان کا رواج تھا' اس لئے توریت وغیرہ کے اس ترجمہ میں ہم لوگ یونان کے فلسفیانہ تخیلات اور مصطلحات کی صدائے بازگشت سنتے ہیں، ساتھ ہی ہم لوگ یہ بھی مطالعہ کرتے ہیں کہ اس وقت الوہیت کے متعلق ایک بلند تر ماورا الطبعی تخیل، متداول تھا خصائص ترجمہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے، یا تو اتفاقی یا ارادی طور پر چند مسائل ایسے شامل ہو گئے ہیں جنھیں ہم لوگ فیلو کے نظریات میں پاتے ہیں؛

جیمس ہیسٹنگس اپنی کتاب "ڈکشنری آف دی بائبل" میں رقمطراز ہے، کہ بنی اسرائیل کی قدیم الہامی کتابوں کا بڑا حصہ عبرانی زبان میں تھا' عبرانی کنعانی زبان کا ایک مکالمہ ہے اور بہت اتصالی طریقہ سے سریانی (Aramaic) سے ملتا جلتا ہے' اولڈ ٹیسٹمنٹ کے بعض حصے سریانی زبان میں بھی تھے، جو شام کی زبان تھی' اور ایک وسیع طریقہ پر بابل، مصر اور عرب میں مروج تھی، بنی اسرائیل کی جلاوطنی کے بعد عبرانی زبان سے ایک اعزازانہ غفلت برتی گئی' اور وہ ادبیات اور قوانین کے لئے مخصوص رہی اور روزانہ زندگی میں سریانی نے رواج پکڑا' غالباً انجیل کی ابتدائی تحریریں اسی زبان میں تھیں، جب پیپی کہتا ہے کہ "میتھو" نے حضرت مسیح کے ملفوظات کو عبرانی میں لکھا تو اس سے اس کا مطلب سریانی زبان ہے، چونکہ حضرت مسیح سریانی زبان میں تعلیم وتلقین کرتے تھے، یہ معقول نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی تعلیم کو قدیم زبان (عبرانی) میں ترجمہ کیا جاتا تھا' اغلب یہی ہے کہ یہ تحریریں سریانی زبان میں تھیں، اسی طرح یہ بھی شبہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہودیوں کا خیال ہے کہ (MATHEW) بھی سریانی زبان میں تھا' انجیل کا کامل حصہ یونانی زبان میں ترجمہ ہوا' اسکا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں، کہ انجیل کے اسلوب میں (یہودی یا عبرانی) اثر پایا جاتا ہے' یہ اثر میتھو (Mathew) اور لوقا کے ابتدائی حصوں اور اپاکلپس (APOCALYPSE) ...

میں نمایاں ہے، لوقا کا دیباچہ قدیم یونانی زبان سے بہت نزدیک پایا جاتا ہے، "اولڈ ٹسٹیمنٹ" کا بطلیموس ثانی کے زمانہ ۲۸۵ء تا ۲۴۷ ق م میں ترجمہ ہوا، ۱۵۰ق م میں اکوئیلا نامی نے یونانی زبان میں دوسرا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا، تیسری مرتبہ (عبرانی زبان سے) سیمیکوس (Symmachus) نے دوسری صدی بعد مسیح میں ترجمہ کیا، اور اس مرتبہ یہ لحاظ رکھا گیا کہ یہ یونانی زبان کے عام محاورہ اور مکالمہ میں ہو، اس لئے یہ بجائے ترجمہ ہونے کے بعض مقامات میں اصل عبارت کا خلاصہ ہو کر رہ گیا، انجیل کا سب سے پہلا ترجمہ دوسری صدی میں شامی اور لاطینی زبانوں میں ہوا، سابق الذکر کے متعلق یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ ابتدائی نسخہ ہے، پہلا ترجمہ (Peshitta) یا "سلیس ترجمہ" ہے اور شام کے عیسائی مذہب کا یہی معتبر اور مستند نسخہ تھا، ۳۸۲ء میں دمشق کے بشپ نے، شمالی افریقہ میں نسخوں کی گڑبڑی کے باعث ایک لاطینی نسخہ کی ترتیب کا حکم دیا، جو ایک ہزار برس تک کیتھلک چرچ کا معتبر اور صحیح نسخہ تھا، چوتھی صدی مسیحی میں قبطی زبان کے تین قسم کے مکالمات میں انجیل کا ترجمہ ہوا، ہسٹنگس کے خیال میں مختلف ہاتھوں کی وساطت سے توریت اور انجیل کی تدوین ہوئی، ان میں لوقا کے سوا، تمام کتابوں کے مصنف یہودی تھے۔

مصحف مجید کی جمع و ترتیب پر فالنگ کی تنقید

"مختصر معلومات مذہبیات" میں فالنگ لکھتا ہے، کہ ۶۱۰ء سے قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، ۶۳۰ء تک زبانی تھا، چونکہ آنحضرت کی وفات تک قرآن مجید کے جمع و ترتیب کا کام انجام نہیں دیا گیا تھا، اس لئے یہودیوں اور مسیحیوں کو کافی موقع تھا، (جیسا کہ شبہ کیا جاتا ہے) کہ وہ قرآن مجید میں اپنے مذہب و فرقہ کے مطابق تخلیط کر دیں، حضرت ابوبکر نے زید بن حارثہ کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب کا کام سپرد کیا تھا، آنحضرت ہی کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے درخواست کی تھی، کہ قرآن مجید جمع کیا جائے زید بن حارثہ نے نزدیک اور دور کے تمام آدمیوں سے قرآن مجید جا کر سنے، اور حفاظ کا موازنہ کرنے کی بجائے (کہا جاتا ہے) صرف ایک آدمی سے ۷ سورتیں زبانی سنکر قرآن مجید میں داخل کر لیں، انھوں نے قرآن مجید کو کھجور کی پتیوں، چمڑہ کے ٹکڑوں ہڈی، پتھر اور قلوب انسان میں لکھا ہوا پایا۔ اس آخری کتاب الٰہی کی تدوین بھی دوسرے کتب سماوی کی طرح مشکوک ہے اور کہا جاتا ہے کہ اصلی نسخہ نہیں، ۶۱۰ء سے ۶۵۰ء تک قرآن مجید کا مشکوک تاریخی زمانہ ہے، حضرت ابوبکرؓ کا مرتب کیا ہوا قرآن مجید عرب، شام، اور فارس میں شائع کیا گیا، سر ولیم میور کا خیال ہے کہ اس اشاعت کے بعد بہت سی مکتوبات ملی ہونگی، اس لئے دوبارہ جمع و ترتیب کا کام شروع ہوا، یہودیوں، نصرانیوں، اور صابیوں نے قرآن مجید میں اضافے کر دئے، جمع و ترتیب کے سردار قریشی تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کی زبان کا رواج ہو جو آنحضرت کی زبان تھی، شبہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کا کچھ حصہ زیادہ پایا، جو زید کی ترتیب اول کے وقت نہ ملا تھا، یہ طے شدہ امر ہے کہ ۶۱۵ء سے خود آنحضرت صلعم پر یہودیوں اور نصرانیوں کا اثر پڑا، سر ولیم میور کے الکندی کا یہ قول لکھتا ہے، کہ قرآن مجید کی بعض آیتیں جو یہودیت اور نصرانیت کی حمایت میں ہیں وہ اس سبب سے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو ایک نسطوری عیسائی "سرجلس" اور دو یہودیوں سے جو

منافقانہ اسلام لائے تھے، دوستی تھی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد وہ حضرت علیؓ کے بھی دوست رہے، انھیں کافی وقت اور موقعہ ملا، کہ قرآن مجید میں تخلیط کر دیں، اور اسی نسخہ کو زید نے ترتیب دیا تھا۔

یورپ کے شکوک کا جواب اور فارلنگ کی تنقید پر محاکمہ،

یہ اعتراضات صرف فارلنگ کے فشار دماغ کا نتیجہ نہیں، بلکہ عصبیت کا یہ عنصر علمائے یورپ کی اکثر تصنیفات میں پایا جاتا ہے، ان کی کوششیں ہمیشہ اس طرف مبذول رہیں، کہ مذہبیات کے اس آخری رونق کو بھی مذاہب عالم کے محرف الہامات، اور مخلوط اجزائے وحی کی طرح سند واعتبار کی سطح سے فروتر ثابت کر دیں لیکن یہ حکمت عملی، اور یہ سیاسی ونا ات حقیقت شناس دماغوں، اور نکتہ رس نگاہوں کی حد امتیاز سے محجوب نہیں ہو سکتی، علمائے مغرب کا طوفان تحقیق اور ان کے ذوق طلب کی تشنہ کامیاں، آج علمی دنیا سے مزید تعارف کی محتاج نہیں، لیکن ساتھ ہی یہ ستم ظریفی بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی، کہ عصبیت کے ذاموش کارانہ سیہ شوریوں اور سیاست مدن کی والہانہ محویتوں میں وہ بعض اوقات اس کی پروا نہیں کرتے کہ جب دنیائے تحقیق واستقراء میں اُن کے نظریات کا مطالعہ کیا جاویگا تو کیا صوبہ بہار کا ایک "گوشہ نشین" انسان ان کے شغف علمی کے اس نادرانہ طریق تعبیر پر حافظ کا یہ شعر نہیں پڑھیگا ۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

فارلنگ کی تنقیدی تحریر کا جواب حسب ذیل ہے

کیا انھیں خبر نہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا مسئلہ اس کے زمانہ نزول ہی سے اس کے ملہم کے پیش نظر تھا، میں سمجھتا ہوں میکڈنلڈ گولڈزیہر اور ولیم میور کی طرح فارلنگ عربی زبان سے واقف نہیں، لیکن یہ کیا غضب ہے کہ انسان کسی مسئلہ پر مخالفانہ پہلو سے تو نظر ڈالے لیکن پھر منصفانہ یا غیر جانبدارانہ نگاہ سے دریغ کرے، اس سے بڑھکر ایک محقق کے لئے اور کوئی عیب نہیں ہو سکتا فارلنگ کو چاہئے تھا کہ صرف ولیم میور جیسے معاند اسلام کی تحقیقات پر اعتماد نہ کر لیتے، بلکہ میکڈنلڈ، گلام، اور لوٹری وغیرہ کی ان تصنیفات کا مطالعہ بھی کرتے، جو انھوں نے اسلام کی مذہبی تاریخ اسلامی فقہ وتاریخ، اور معارف قرآن کے سلسلہ میں انگریزی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں پیش کی ہیں۔

قرآن مجید کے اسلوب بیان سے ایک محقق خود بخود یہ نتیجہ نکال سکتا ہے، کہ اس کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کا ذوق اسکے نزول کی ساعت افتتاحیہ سے متلازم رہا ملاحظہ ہو، قرآن مجید کے اندر سورۃ قیامہ میں ہے۔

"لا تحرك به لسانك لتعجل به ط ان علينا جمعه وقرانه ۰ فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علينا بيانه"

امام بخاری (فضائل القرآن کے اندر) اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کی مفصلہ ذیل روایت نقل کرتے ہیں،

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نزل جبريل بالوحى وكان مما يحرك به لسانه وشفتيه فيشتد عليه وكان يعرف منه فانزل الاية التى فى لا اقسم بيوم القيامة لا تحرك به لسانك لتعجل به الى اخران علينا بيانه قال ان علينا ان نبينه بلسانك قال وكان"

اتاہ جبریل اطرق فاذا ذھب قرأہ کما وعدہ اللہ -

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتے وقت بہت سختی ہوتی، جب جبرئیل ؑ وحی لاتے تو آپ زبان اور ہونٹ ہلاتے رہتے، یہ سختی دیکھنے میں لوگوں کو معلوم ہو جاتی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری جو سورہ لا اقسم بیوم القیامہ میں ہے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا بیانہ تک یعنی ترے دل میں جما دینا اور پڑھا دینا ہمارا کام ہے، جب ہم اس کو پڑھ چکیں اس وقت ہمنے پڑھا تو بھی پڑھ، یعنی وحی اترتے وقت سنتا رہ، پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے، یعنی تیری زبان میں اس کا سمجھا دینا، ابن عباس نے کہا ان آیتوں کے اترنے کے بعد جب حضرت جبرئیل آپ کے پاس وحی لیکر تشریف لاتے تو آپ سر جھکا لیتے، جب جبرئیل چلے جاتے، تو اللہ نے جیسا وعدہ کیا تھا، (تیرے دل میں جما دینا اس کا پڑھا دینا میرا کام ہے) آپ اسی موافق پڑھ دیتے -

حفاظت قرآن مجید کے متعلق جس شخص کے فکر و احساس کی یہ حالت ہو (کہ نزول کے وقت ہی سختی اٹھا کر اُسے دہراتے جاتے) کیا اس سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ قرآن مجید کی صحت اور حفاظت کے لئے اُس نے کونسی تدبیر اٹھا رکھی ہوگی، اسلامی تاریخ تو حفاظت قرآن کے ان مباحث سے پُر ہے، صرف قرآن کے بیان کردہ واقعات کو لے لیا جائے، تو بھی علمائے مغرب کے رفع شکوک کا کافی سامان موجود ہے، لیکن تعصب اور عناد کا دفعیہ ناممکن ہے ولن ترضی عنک الیھود والنصاری حتی تتبع ملتھم

علمائے مغرب کا یہ محض افترا ہے کہ ۶۱۰ء سے ۶۳۰ء تک قرآن مجید بالکل زبانی تھا، بلکہ جس وقت وحی اترتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاتبوں کو بلا کر لکھا دیتے، خلفائے اربعہ اور زید ابن ثابت وغیرہ وحی کی کتابت کرتے تھے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی احتیاط سے زبانی بھی یاد کراتے تھے - فارلنگ نے بھی اقرار کیا ہے، کہ زید نے چمڑے اور ہڈی کے ٹکڑوں، کھجور کی پتیوں اور صدور انسانی سے نقل کر کے قرآن مجید کی ترتیب دی، یہ گویا امام بخاری کے الفاظ میں زید ابن ثابت رضؓ کے بیان کا ترجمہ ہے،

فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال

میں نے قرآن کی تلاش شروع کی اور اسے کھجور کی چھڑیوں، باریک پتلے پتھروں پر لکھا پایا، اور کچھ لوگوں کو زبانی یاد تھا؛

فارلنگ نے یہ تاریخی غلطی کی ہے، کہ انھوں نے زید ابن ثابت رضؓ کی بجائے زید ابن حارثہ کو جامع قرآن تصور کیا، قرآن مجید کے جمع و ترتیب کے متعلق عہد رسالت میں کوئی بحث نہیں ہوئی تھی، بلکہ جنگ یمامہ کے بعد جس میں مسیلمہ کذاب مارا گیا اور بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے، حضرت عمر رضؓ کو جمع و ترتیب قرآن کا خیال پیدا ہوا، بخاری شریف میں یہ مطول حدیث مذکور ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جمع و ترتیب کے متعلق پہلے تو پس و پیش کیا، لیکن بعد میں حضرت عمر رضؓ کی رائے صائب سے اتفاق کر کے زید ابن ثابت رضؓ کو اس اہم کام کے لئے حکم دیا، آنحضرت صلعم کو ۶۰۹ء میں نبوت ملی، اس کے بعد آپ دس سال مکہ میں رہے اور تیرہ سال مدینہ میں، ۶۳۲ء میں آپ نے انتقال فرمایا، جنگ یمامہ حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی حضرت ابوبکر رضؓ کی سال

وفات ۶۳۲ء کو اگر انجام ترتیب کا نقطہ تصور کر لیں تو ایک محقق کے سامنے صرف یہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ آیا پچیس سال کے اندر قرآن مجید کے متعلق (نعوذ باللہ) خلط و تحریف، تغییر و تضییع کے شکوک کہاں تک صحیح ہو سکتے ہیں؟

اوراق احادیث اور تاریخ حفاظ سے پتہ چلتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ ہی میں قرآن مجید کے کثیر حفاظ موجود تھے، جنھیں صرف یہی نہیں کہ کامل قرآن مجید زبانی یاد تھا، بلکہ وہ اس کے نزول کے مواقع، اسباب، اور مقامات سے بھی واقف تھے، اس کے معانی و مطالب پر انھیں تبحر وافی، اور عبور کامل تھا، کیونکہ حامل وحی (صلعم) کی زبانی سن چکے تھے امام بخاری حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی مفصلۂ ذیل روایت نقل کرتے ہیں :-

واللہ الذی لا الہ غیرہ ما انزلت سورۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم این انزلت ولا انزلت اٰیۃ من کتاب اللہ الا انا اعلم فیم انزلت ولو اعلم احدًا اعلم منی بکتاب اللہ تبلغہ الابل لرکبت الیہ

(ترجمہ) قسم پروردگار کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں اتری جس کے متعلق میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری اور قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس باب میں کس شخص کے حق میں اتری اور اگر مجھکو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی اللہ کی کتاب کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے اور اونٹ وہاں تک جا سکتے ہوں تو میں اس کے پاس جاؤں :-

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں عبداللہ ابن مسعود رضؓ کے سوا، اکابر صحابہ رضؓ میں اور بھی معروف حفاظ قرآن مجید موجود تھے جنھیں زید ابن ثابت رضؓ ابی ابن کعب رضؓ، سالم ابن معقل رضؓ، ابو دردا رضؓ، معاذ ابن جبل رضؓ، ابو زید انصاری رضؓ اور انس ابن مالک رضؓ ہیں، امام بخاری نے حفاظ قرآن مجید کے سلسلہ میں حضرت انس رضؓ کی مفصلہ ذیل روایت نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مفصلہ بالا حفاظ میں اکثر آنحضرت کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے۔

عن انس قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو الدرداء ومعاذ ابن جبل وزید ابن ثابت وابو زید ونحن ورثناہ ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اور کامل قرآن مجید کے حافظ چار شخص تھے، ابو درداء رضؓ معاذ ابن جبل رضؓ زید ابن ثابت رضؓ اور ابو زید انصاری رضؓ (انس رضؓ نے کہا) ابو زید کے ہم وارث ہوئے :-

عبداللہ ابن مسعود رضؓ، انس ابن مالک رضؓ اور زید ابن ثابت رضؓ ہی نہیں کہ خلیفہ اول کے عہد میں قرآن مجید کے جمع و ترتیب کے وقت موجود تھے، بلکہ دوبارہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں جب صرف نقل کتابت کا کام ہو رہا تھا، تو یہ تینوں حضرات زندہ تھے، اور زید ابن ثابت رضؓ پہلے تو "جمعیۃ ترتیب" کے صدر رہ چکے تھے، اور دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضؓ نے نقل کتابت کرا کے، اسلامی ممالک محروسہ میں مصاحف روانہ کئے، تو نقل کرنے والوں کی جماعت میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضؓ

سعید بن عاص رضہ اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام کے ساتھ زید ابن ثابت رضہ ہی صدر رہے، فارلنگ نے یہاں یہ بھی غلطی کی ہے، کہ اس نے حضرت عثمان رضہ کے زمانہ کے "نقل و کتابت" کی جماعت کو "جمع و ترتیب قرآن" کی جمعیتہ تصور کرلی اور یہ تو محض غلط ہے کہ جامعین قرآن کے سردار قریشی تھے، حالانکہ یہ مسلم نظریہ ہے جسکو "نگمانہ" نے "شامی ترجمہ قرآن" کے اندر اور جارج سیل نے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے مقدمہ میں تسلیم کرلیا ہے کہ "جمعیت ترتیب" کا سردار قریشی نہ تھا، بلکہ ایک انصاری زید ابن ثابت رضہ تھے، جو جمعیت نقل و کتابت" کے بھی صدر رہے، کجا قریشیوں کی سرداری، اور کجا اُن کا عنصر انانیت اور پھر اپنی زبان کی ترویج میں سعی مذموم، ہاں یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا جو قریشی تھے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت عثمان رضہ نے عبد اللہ بن زبیر رضہ سعید بن عاص رضہ اور عبد الرحمٰن ابن حارث کو اجازت دیدی تھی کہ جب حضرت زید ابن ثابت رضہ سے نقل کتابت میں قرأت کے متعلق اختلاف ہو، تو تم قریشی محاورہ کو ترجیح دینا، کیونکہ اسی مکالمہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے، لیکن ایسی روایت کا پتہ نہیں چلتا، جس سے ثابت ہو کہ جامعین میں محاورہ کے متعلق اختلاف ہوا بھی ہو، اور یہ تو محض بعید از قیاس ہے کہ حضرت عثمان کے اس حکم سے قریشیوں کو اپنی زبان کی ترویج کا موقعہ ملا، اگر کوئی ثبوت ہو تو مخالفین اسلام پیش کریں،

دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضہ کے زمانہ میں صرف نقل کتابت ہوئی تھی کامل قرآن مجید مصحف کی شکل میں تو آنحضرت کی وفات کے دوسری ہی برس مرتب ہوچکا تھا، اور اگلے سطور میں یہ لکھا جاچکا، کہ اس وقت قرآن مجید کے کیسے کیسے علمائے متبحر اور حفاظ جید موجود تھے، جنمیں عبد اللہ ابن مسعود، انس ابن مالک، اور خود حضرت علی کے اسمائے گرامی بتائے جاتے ہیں ایسی حالت میں کیا یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے فکر و عقیدہ کے مطابق قرآن مجید میں آمیزش کا موقعہ مل گیا، اور ان اکابر صحابہ رضہ نے خموشی کے ساتھ تسلیم بھی کرلیا، اگر صرف اس موقعہ پر کہ قرآن مجید حامل وحی کی وفات کے دو برس کے بعد پتھر کے ٹکڑوں چمڑہ کے پارچوں، اور ہڈیوں سے جو قلوب انسانی پر بھی مرکوز تھے، جمع ہو کر مصحف کی شکل میں آیا، اور اسلئے اس میں خلط و تحریف تضیع و تغییر کا شبہ ہے، تو پھر شک و شبہ کی وسعتیں اشیائے عالم کے ہر ذرہ پر محیط ہوجادینگی، اور تمام کائنات کی حقیقت اصطلاح تصوف میں "فریب عرفان" اور "التباس شہود" سے زیادہ نہ رہیگی۔ اگر فارلنگ نے تصوف کے اسی خاص رنگ میں قرآن مجید کے متعلق نکتہ چینی کی ہے تو مجھے کوئی بحث نہیں، میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لبید کے اس مصرعہ کی تصدیق کرتا ہوں ؎

الا انّ کُلّ شیءٍ ما خلا اللہ باطِلُ

یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے، کہ حضرت عثمان رضہ جامع قرآن تھے یا ناشر قرآن؟ قرآن مجید کے جامع دراصل حضرت ابوبکر صدیق رضہ تھے، حضرت عثمان رضہ نے نقل کتابت کا کام اس لئے شروع کیا تھا، کہ حضرت ابوبکر رضہ نے مصحف مجید کی صرف چند جلدیں اسلامی ممالک میں روانہ کیں، اس وقت مطابع تو تھے نہیں، مقامی مسلمانوں نے سنکر یاد کیا، اور رفتہ رفتہ بھی عوام سے، اس لئے

قرأۃ میں اختلاف ہوا، حضرت حذیفہ رضؓ عراق میں آرمینیہ اور آزربیجان کی فتح کے لئے لڑ رہے تھے، تو انھوں نے ان اختلافات کا مطالعہ کیا، اور جب مدینہ میں آئے تو حضرت عثمان رضؓ کو اس طرف توجہ دلائی، انھوں نے حضرت ابو بکر رضؓ کے مرتبہ مصحف سے نقل کرا کے تمام مقامات میں روانہ کئے، اور بقیہ تمام کاغذات اور ٹکڑوں پارچوں کو جلوا دیا، فارلنگ اسے حضرت عثمان رضؓ کی غلطی بتاتا ہے، ہاں صاحب کیوں نہیں، یہی تو ایک موقعہ تھا، وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا، آج برلن سے آثار قدیمہ کا ایک عالم کھڑا ہوتا اور وہ کسی یہودی یا نصرانی کی تحریف کردہ تحریر کو کہتا کہ اصل قرآن کی عبارت یوں ہے تمہارے مصحف میں غلط لکھا ہوا ہے، کل پیرس کا ایک محقق بتاتا مجھے مصر اور شام کے کھنڈروں سے کتبات ملے ہیں جنہیں قرآن مجید کی فلاں فلاں آیتیں اس طرح لکھی ہوئی ہیں، جو قرآن مجید کے موجودہ مصحف کے اندر محرف صورت میں یوں ہیں، اور یورپ کے ایک لطیف الخیال اور نکتہ رس عالم نے تو قرآن مجید کے ایسے اجزا دریافت کر ہی لئے جو مصحف کے اندر نہیں پائے جاتے اور شامی زبان کی پرانی تحریر میں موجود ہیں اللہ رے آپ کے کرشمہ تصور کی شہر آشوب بیان! !

باقی ——— باقی

عبد المالک آروی

مسٹر رینالڈز کے انگریزی ناولوں کے اُردو ترجمے

فسانۂ الہ دین و لیلیٰ - مشہور ناول اسٹار آف منگریلیا کا ترجمہ رنگین داستانوں کے ضمن میں بہشت و دوزخ کی سیر کرائی ہے پڑھ کر دل دھڑک جاتا ہے مترجمہ منشی احمد حسین صاحب تحصیلدار کاکوروی عہ ۱۲

فریب حسن - ناول فاسٹ کا اُردو ترجمہ جس میں قصہ کے پیرایہ میں بدکرداریوں کے زبون نتائج دکھائے گئے ہیں - عہ ۱۲

فسانۂ سوزن عشق ناول سنیبرس کا ترجمہ جس میں دنیا کی خود غرضی اور سیاہ کاری کی ایک عجیب و غریب قصہ کے پیرایہ میں دلکش تصویر ہے عہ

فسانۂ لارنس ور و تھ ایک عفیفہ لڑکی کی داستان فوجی افسروں کی عیاشی چارلس گزشتہ شاہ انگلستان کی بے اعتدالی - زنان درباری کی بدکرداری وغیرہ کا خاکہ - ترجمہ رائے ہوس پلاٹ مترجمہ سید امیر حسین صاحب عہ

ناول اسرار نیکر و نیسر کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ بیگم باعصمت احمد حسین مانہ لیڈر دیکھے دلی جذبات کا خاکہ زمانہ کی حیرت انگیز نیرنگیوں اور انقلاب کی حیرت انگیز تصویر عہ

مسٹر رینالڈز کے انگریزی ناولوں کے ترجمے

روز الیمبرٹ - ایک لڑکی لیمبرٹ کی حسرت اور درد بھری سوانح عمری راہ نیک سے انحراف اور چوری جوے دغابازی شراب خواری وغیرہ کے برے انجام زبان سلیس اور صاف دو حصہ کامل للعہ - ایضاً حصہ اول عہ حصہ دوم عہ

شام جوانی حصہ اوّل - مسٹر رینالڈ کے ناولوں میں یہ مشہور ناول ہے جس میں مصنف نے اپنا زور قلم دکھایا ہے مگر مترجم نے بھی اُردو کے سانچے میں ڈھالکر اُسے اُردو کا بہترین ناول ثابت کر دیا ہے قصہ کی دلچسپی کے ساتھ عبارت کی روانی وغیرہ قابل دید و داد ہے - مترجمہ منشی نوبت رائے صاحب نظر مرحوم عہ حصہ دوم ۹

دھوکا یا طلسمی فانوس، اس میں بھی قصہ کو نہایت عبرت انگیز پیرایہ میں بیان کیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اگر انسان کو تمام دنیا کے راز معلوم ہو جائیں تو اس کا کیا نتیجہ ہے اور وہ کیا کر سکتا ہے اور کیسی مالا یطاق تکلیف میں پھنس جاتا ہے، پھر جو اس کے مترجم منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ نے ظرافت کی چاشنی دی ہے اُس سے اسکی عبارت میں اور بھی گلکاری پیدا ہو گئی ہے - عہ

(منیجر نگار)

زلزلۂ عشق

(ڈراما)

افراد:-

ریاض - ایک نوجوان خوشحال زمیندار۔

رابعہ - ریاض کی نئی بیاہی ہوئی بیوی جو اپنے شوہر سے ملتفت نہیں ہے۔

حمیدہ - خادمہ۔

محبوب - ریاض کا سالا۔

عزیز ریاض کا دوست۔

نسیمہ - عزیز کی بیوی۔

(کوٹھے کے اوپر شہ نشین میں رابعہ کھڑی ہوئی سیاہ بادلوں کے گھر گھر کر آنے کا تماشہ دیکھ رہی ہے، سامنے مینا کا پنجرہ لٹک رہا ہے دیر تک اس منظر سے لطف اٹھانے کے بعد رابعہ نیچے واپس جانا چاہتی ہے کہ مینا پنجرہ کے اندر سے "رابعہ، رابعہ" کہکر پکارتی ہے اور رابعہ کچھ برہمی کے ساتھ مڑکر اس کو دیکھتی ہے)

رابعہ - "جب دیکھو، رابعہ، رابعہ - چیخا کرتی ہے - اس کو موت بھی تو نہیں آتی (زور سے) حمیدہ - حمیدہ!

(حمیدہ آتی ہے)

—— (حمیدہ سے) تو بھی نہیں سنتی - دیکھ اس پنجرے کو اٹھا کر کہیں پھینکدے، جب دیکھو یہ کمبخت میرا ہی نام لیا کرتی ہے، آخر میں کون ہوں جو........"

حمیدہ - (بات کاٹ کر) "آپ گھر کی ملکہ ہیں، ہماری اور مینا سب کی مالک ہیں، آپ کا نام نہ لے تو کس کا لے"۔

رابعہ - "جی ہاں، گھر کی ملکہ نہیں خدا جانے کیا ہوں - خیر، تو اس کو اڑا دے اگر یہ میرا نام لینے سے باز نہیں آسکتی"۔

حمیدہ - "نا بیوی، یہ ممکن نہیں - میاں یہی آواز سننے کے لئے تو اس کو اتنا چاہتے ہیں، میں بھلا کیسے اڑا سکتی ہوں"

رابعہ - (غصہ سے) تو میرا کہنا نہیں مانتی - (اکڑ کر جاتے ہوئے) اچھا اگر یہ مینا گھر میں ہے تو میں نہیں رہونگی، جب آئیں تو اپنے اور مینا کے میاں سے کہدینا —— (ریاض داخل ہوتا ہے اور حمیدہ چلی جاتی)

ریاض (ہنسکر) کیا واقعی مینا کا رہنا گوارا نہیں؟"

رابعہ (منہ پھیر کر) ہاں، مجھے رات دن اس کا چیخنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر آپ اسے رکھنا چاہتے ہیں تو مہربانی فرما کر مجھے رخصت کر دیجئے۔"

ریاض۔" اس میں شک نہیں کہ یہ مینا مجھے بہت عزیز ہے کیونکہ یہ بلند آواز سے نام لیکر اس کی پوجا کیا کرتی ہے جس کی پرستش میں خاموشی سے کرنے پر مجبور ہوں۔ تاہم تم سے زیادہ تو عزیز کو نہیں ہو سکتا۔ اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو میں اسیوقت اس کو رخصت کئے دیتا ہوں

(ریاض پنجرہ اتار کر کھڑکی کھول دیتا ہے اور مینا باہر نکل کر ریاض کے ہاتھ پر آبیٹھتی ہے۔)

ریاض (اس کے پروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) مجھ سے اتنی محبت نہ کر کیونکہ میں تجھ کو اپنے سے جدا کرنے پر مجبور ہوں، اور تیری اس الفت کا جواب دینے کے لئے طیار نہیں -- (ریاض یہ کہکر مینا کو زبردستی دریچہ کے باہر پھینک کر دروازہ بند کر لیتا ہے)

رابعہ۔ (کچھ سہم کر) آپ نے اُسے اڑا دیا؟"

ریاض۔ "ہاں، اڑا دیا۔

رابعہ۔ "مگر آپ تو اس کو بہت چاہتے تھے"

ریاض۔" بیشک چاہتا تھا"

رابعہ۔ "مگر پھر بھی اڑا دیا"

ریاض۔" ہاں زیادہ فائدہ کی طمع میں انسان نقصان بھی برداشت کر لیتا ہے۔ راستہ طیار کرنے کے لئے اینٹ پتھر توڑنے کی تکلیف برداشت کرنا ضروری ہے"

رابعہ۔ یہ آپ کی آنکھ میں خوفناک چمک کیسی ہے۔

ریاض۔ جب دل میں آگ ہوتی ہے تو کہیں نہ کہیں سے اس کی روشنی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

رابعہ " مجھے تو دیکھ دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے"

ریاض " ڈر کی کیا بات ہے جب کہ اس سے قبل اسی طرح کی بہت سی آگیں آنسو سے بجھا چکا ہوں"

رابعہ " یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے تو اب آپ سے بہت خوف معلوم ہونے لگا ہے۔ خدا کے لئے مینا کی طرح مجھے بھی چند روز کے لئے آزاد کر دیجئے"

ریاض " اگر تمھاری خواہش یہی ہے تو چند روز کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے میں آزاد کر سکتا ہوں۔ کل ہی تمھارے بھائی کو تار بھیجتا ہوں کہ وہ تمھیں آکر لیجائیں"

(۲)

(باہر کمرہ میں ریاض اپنے سالے محبوب کو تار دیکر خاموش بیٹھا ہوا ہے کہ اسکا دوست عزیز آجاتا ہے)

ریاض " بیٹھو عزیز"

عزیز۔ "کیوں اس قدر مغموم کیوں ہو؟"

ریاض۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) کیا دنیا میں غم کے سوا کچھ اور بھی ہے۔

عزیز: "معلوم ہوتا ہے پھر کوئی نیا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا؟"

ریاض۔ نہیں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ جی بہت گھبراتا ہے اور ارادہ ہے کہ کل کہیں سیاحت کے لئے نکل جاؤں

عزیز۔ (حیرت سے) کل! سیاحت کے لئے!!

(رابعہ چھپکر پردہ کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے)

ریاض: "ہاں، ابھی تو بنارس، الہ آباد، دلی وغیرہ جانے کا قصد ہے اور وہاں سے اور آگے"

عزیز۔ "واپس کب تک آؤ گے"

ریاض: "کچھ ٹھیک نہیں"

عزیز: "اور رابعہ!"

ریاض: "وہ کل اپنے باپ کے گھر جا رہی ہیں"

عزیز: "مگر تمھارا جانا خوشی کا جانا نہیں معلوم ہوتا"

ریاض: "شوق یا ضرورت کا سوال کیا؟ اگر میری طبیعت گھر سے نکلکر باہر کہیں لگے تو گھر سے اچھا پردیس ہے"

عزیز: "ریاض خدا کے لئے اس ارادہ کو ملتوی کرو، میرا جی دکھتا ہے"

ریاض: "تم جانتے ہو کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت انسان کا دل ہے اور اس کا نقصان کسی نفع کی امید پر گوارا نہیں کیا جا سکتا محبت میں دل کا امتحان پر لطف مشغلہ ہے، لیکن اسی وقت تک کہ امتحان دینے والا باقی رہے، اگر اس کو آرام کا موقع نہ دیا جائیگا تو نتیجہ کیا ہوگا۔ مومن کا شعر تم نے نہیں سنا ؎

دن رات فکر و جور میں ہوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

عزیز: "اگر تمھاری دردمندیاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں تو جانا ہی مناسب ہے۔ لیکن میری رائے میں اس قدر جلدی مناسب نہیں چند دن اور دیکھ لو"

ریاض: "نہیں اب تو جانے ہی دو۔ کل وہ اپنے گھر جائیں گی اور میں گھر سے باہر"

(۳)

(شام کا وقت ہے عزیز کی بیوی نصیرہ رابعہ کو دیکھنے آئی ہے)

نصیرہ: "کیا کل تم کلکتہ جا رہی ہو بہن"

رابعہ: "ہاں"

نصیرہ " یوں دفعتہ "

رابعہ " ہاں، بے اختیار ماں باپ سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے "

نصیرہ " ابھی تو تم وہاں سے آئی ہو۔ اس قدر جلد جلد جانے سے خود تمھارے گھر میں جو بدانتظامی پیدا ہو جائے گی اُسکا کچھ خیال نہیں کرتی ہو ؟"

رابعہ " میرا گھر ! میرا گھر تو وہی جہاں ماں باپ بھائی موجود ہوں "

نصیرہ " بیشک پہلا گھر وہی ہے، لیکن شادی ہو جانے کے بعد عورت کا گھر وہ ہے جہاں اس کا شوہر موجود ہو "

رابعہ " (بات ٹالنے کے لئے) یہ تمھاری آنکھیں کیوں سُرخ ہو رہی ہیں ؟ "

نصیرہ " کل رات میں سوئی نہیں۔ کلکتہ سے اُنھوں نے میرے لئے ایک ہار بنوا کر منگوایا تھا اور اس کی خوشی میں نہ میں سوئی نہ اُن کو سونے دیا "

رابعہ " (ہنسکر) ہار کی خوشی میں رات بھر سوئی نہیں ؟ تعجب ہے میرے لئے تو نہ جانے کتنے ہار آئے لیکن میں ایک گھنٹہ بھی نہیں جاگی "

نصیرہ " (ٹھنڈی سانس لیکر) ہاں، تمھیں نہیں معلوم کہ عورت کی خوشی کیا ہے اور اس کا ساری ساری رات خوشی میں جاگتے رہنا زندگی کا کس قدر دلچسپ حصہ ہے "

رابعہ " بہن، بعض دفعہ تم بھی عجیب طرح کی خیالی باتیں کرنے لگتی ہو، میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تم کیا کہہ رہی ہو "

نصیرہ " خدا کرے وہ دن جلد آئے کہ تم سمجھنے لگو "

رابعہ " (ہنسکر) وہ دن کیسے آئے گا ؟ "

نصیرہ " گھبراؤ نہیں، جب وہ دن آئے گا تو اچانک آئے گا۔ زلزلہ آنے سے قبل کسی کو اطلاع نہیں ہوتی، لیکن جب وہ دفعتہً آتا ہے پل بھر میں خشکی کو پانی اور پانی کو خشک کر کے میدان بنا دیتا ہے۔ اس لئے گھبراؤ نہیں، جب تمھارا وہ دن زلزلہ کی طرح آئے گا تو یہ روز روز کلکتہ کا جانا بھول جاؤ گی اور بہانے ڈھونڈھو گی کہ کوئی شخص جس سے اب تم بیزار ہو، ہر وقت تمھارے سامنے رہے۔ اچھا بہن میں اب جاتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔ اُن کے کھانے کا وقت آگیا ہے "

رابعہ " اونھ، کھانے کے وقت تم نہ ہو گی تو کیا ہو گا، آج نوکر ہی کھانا کھلا دیگا تو کیا گناہ ہو جائے گا "

نصیرہ " واہ نوکر کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے معلوم اچھا بُرا کیا سامنے رکھدے اور پھر یہ کہ میرا جی بھی مانے۔ میں خود اس کو کیسے گوارا کر سکتی ہوں "

(۴)

(رات کے دس بج چکے ہیں۔ تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ مینہ رم جھم برس رہا ہے۔ بجلی چمک رہی ہے، ریاض باہر سے اندر نہیں آیا۔ رابعہ پریشان حالت میں اندر اپنے کمرہ کے بیٹھی ہوئی سوچ رہی ہے)

————" نصیرہ کو اپنے شوہر سے بڑی محبت ہے، وہ یہ بھی گوارا نہ کر سکی کہ ایک وقت ان کو تنہا کھانا کھا لینے دے ————

———— ابھی تک اندر نہیں آئے۔ بہت خفا ہیں۔ مینا کے جانے کا رنج ہو گا۔ یا سفر کی طیاریاں کر رہے ہوں گے۔ خدا جانے کہاں کہاں جائیں اور کب تک واپس آئیں۔ میں اگر کلکتہ نہ جاؤں، تو شاید وہ بھی ارادہ باہر جانے کا ترک کر دیں ———— ضرور مجھ سے خفا بھی ہوں گے اور ہونا چاہئے۔ ان کی مینا ہاتھ سے گئی اور میری وجہ سے۔ پھر میں بھی ان کی مرضی کے خلاف جا رہی ہوں۔ لیکن اگر وہ کہدیتے کہ نہ جاؤ۔ تو میں کیوں جاتی۔ وہ سمجھے ہوں گے کہ اگر نہ جانے دیا تو میں خفا ہو جاؤنگی۔ بیشک انھیں میری خفگی کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اب بھی وہ آکر مجھے نہ جانے دیں تو اچھا ہے ———— مجھے ان کے سفر کرنے کے خیال سے تکلیف ہوتی ہے، دوسری جگہ جاکر ممکن ہے طبیعت خراب ہو جائے۔ یونہی ان کی صحت اچھی نہیں رہتی ہر وقت مغموم سے رہتے ہیں —

(بجلی چمکتی ہے) – اف کیسی خوفناک چمک ہے۔ کیا آج وہ نہیں آئیں گے —

(دفعتہً باہر سے بندوق کی آواز آتی ہے۔ رابعہ گھبرا کر باہر کمرہ میں جاتی ہے۔ ریاض بندوق لئے روزن کے پاس کھڑا ہے اور دھواں چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ رابعہ گھبرا کر آگے بڑھتی ہے اور بندوق کی نال تھام لیتی ہے)

ریاض۔ (آہستہ سے) چھوڑو، چھوڑو، بندوق بھری ہوئی ہے، چھوٹ جائے گی "

رابعہ " چھوٹ جانے دو۔ میں نہیں چھوڑونگی۔ یہ آواز کیسے آئی، تم نے کس کو مارا "

(ریاض کانپتی ہوئی رابعہ کو آغوش میں لیکر قریب کی مسہری پر چلا جاتا ہے۔)

ریاض " کیوں تم کانپ کیوں رہی ہو "

رابعہ " سچ بتاؤ تم نے کس کو مارا "

ریاض " اسی چڑیا کو "

رابعہ " کون چڑیا ؟ "

ریاض۔ وہی مینا، جسے صبح باہر نکال دیا تھا۔ اس وقت بھی وہ کھڑکی کے آس پاس اڑ رہی تھی "

رابعہ " تم بڑے بیرحم ہو، میں تو دن بھر مینا کے لئے روتی رہی اور تم نے اسے مار ڈالا "

(رابعہ منھ ڈھانپ کر ریاض کے شانہ پر سر رکھ کر رونے لگتی ہے)

ریاض " (بے اختیارانہ) رابعہ، رابعہ، خدا کے لئے یہ نہ کرو، میں تباہ ہو جاؤنگا، میں تمھیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا "

رابعہ " نہیں، مجھے رونے دو۔ نصیرہ نے آج زلزلہ کا ذکر کیا تھا۔ کہ وہ کس طرح دفعتہً پہاڑ کو ہلا کر پانی کے چشمے جاری کر دیتا ہے۔ یہ میری زندگی کا زلزلہ ہے اور میں خوش ہوں کہ آج تمھارے قدموں پر مجھے زور و کر اپنے قصور کی معافی چاہنے کی توفیق عطا کرتا ہے "

(۵)

(محبوب ریاض کے ساتھ اندر داخل ہوتا ہے)

محبوب "(رابعہ سے) کل تار پہونچنے سے ہم لوگ بہت فکر مند ہو گئے تھے، کہو اچھی تو ہو"

(ریاض چلا جاتا ہے)

رابعہ "(ہنسکر) اچھی ہوں"

محبوب: "پھر تار کیوں دیا"

رابعہ - تمھارے دیکھنے کو بہت جی چاہتا تھا"

محبوب "(ہنسکر) خوب - میں تو سمجھا تھا کہ شاید پھر ریاض سے لڑ بیٹھی ہوگی - اچھا تو کس وقت چلوگی

رابعہ "(کچھ سوچکر) نہیں اس دفعہ جانے کا موقعہ نہیں ہے"

(دوسرے کمرہ سے سیٹی کی آواز آتی ہے)

محبوب "یہ سیٹی کون بجاتا ہے"

رابعہ "معلوم نہیں کوئی ہوگا - اچھا تو میں جاتی ہوں - انتظام کرتی ہوں - اور تم شام کو گھر واپس جاؤ - سب فکر مند ہوں گے۔

(یہ سمجھکر کہ یہ سیٹی نصیرہ نے بجائی تھی، ٹالتے ہوئے -)

(رابعہ اندر داخل ہوتی ہے اور نصیرہ ہنستی ہوئی پھر سیٹی بجاتی ہے -)

رابعہ "تم بڑی شریر ہو، سیٹی بجانے کا کیا موقعہ تھا"

نصیرہ "شریر میں ہوں یا تم کہ بھائی کو حیلہ حوالہ کرکے ۲۴ گھنٹہ کے اندر ہی رخصت کر دیا"

واثق حسین

علم فراست الید

یعنی ہات کی لکیروں، ہات کی ساخت، انگلیاں اور ناخن دیکھکر ایک شخص کی سیرت و اخلاق پر حکم لگانے اور اسکے ماضی و مستقبل کے حالات معلوم کرنیکا علم اگر آپ ایک ہفتہ کے اندر سیکھنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ہم سے طلب کیجئے جو نہایت سہل زبان میں، نقشوں وغیرہ کی مدد سے آپ کو بہت جلد اس فن کا ماہر بنا دیگی - قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

"منیجر نگار" لکھنؤ

خبطیون کے قصّے

(۱)

سوءِ تفہیم یا غلط خیالی سے ایک شخص "خبطی" نہیں کہلائے گا۔ اگر وہ ہری نگاہ رکھتا ہو اور ایک انگلی کو دو بتلاتا ہو اسے خبطیون میں شمار نہیں کر سکتے، اور اگر ایک آدمی یہ کہے کہ مجھے تصویرین اور بت نظر آتے ہیں اور وہ یہ بھی یقین رکھتا ہو کہ دراصل فضا میں کچھ موجود نہیں ہے تو کیا آپ اُسے سودائی کہیں گے؟ بعض لوگ اپنی تمناؤں کو مجسم دیکھتے ہیں حالانکہ وہ اُن کی تجسیم ناممکن سمجھتے ہیں تو ایسے لوگ بھی خبطیوں میں شمار نہیں ہو سکتے، کیونکہ فریب نظر کا شکار خبطی نہیں کہلاتا۔ بعض لوگ خلائے بسیط میں جاندار اشیا، درندے اور دوسرے جانور دیکھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ محض ہمارے دل و دماغ کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔

تو کیا آپ ایسے آدمی کو "سودائی" کہیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہم اس تفصیل کے ثبوت میں برلن کے ایک کتب فروش "نکولائی" کا قصہ پیش کر سکتے ہیں۔ اُسے کئی موقع پر خلائے بسیط میں جاندار اشیاء کے جھنڈ نظر آتے تھے۔ لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ یہ سب میری خرابیٔ صحت کے کرشمے ہیں، جب اس کا دماغی توازن برقرار ہو گیا تو پھر اُسے کبھی ریگستاں موجیں مارتا ہوا سمندر نہ دکھائی دیا۔

بہرحال نہ ایک کی دو انگلیوں کو دیکھنے والا خبطی و سودائی کہلائے گا اور نہ خلائے بسیط میں جانداروں کے گلہ کو دیکھنے والا۔ بروٹس اور ساکریٹس کے قصوں کو آپ جانتے ہوں گے؟ کہتے ہیں کہ بروٹس نے زار کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا اور ساکریٹس کو ایک واقف شخص کی روح نظر آئی۔ اگر وہ اپنے زمانہ کے عام اعتقاد کے مطابق سچ سمجھ لیتے تو بھی ہمیں انھیں خبطی اور سودائی کہنے کا حق نہ تھا البتہ وہ یہ مانتے ہوئے بھی کہ فریب نظر بھی ایک چیز ہے یقین کرتے کہ ہم نے جو کچھ دیکھا وہ صحیح تھا تو ہم انھیں خبطی سودائی یا جنونی کا خطاب دے سکتے تھے۔ آپ اگر مخبوط الحواسی کے واقعات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سو فیصدی واقعات میں تیقن موجود ہے۔ خبطی کچھ اس بری طرح سے ایک بے حقیقت چیز کی موجودگی کا یقین کرتا ہے کہ عوام اسے یکلخت پاگل کا خطاب دیدیتے ہیں۔ ایک قصائی کا قصہ ہے کہ وہ یقین کے ساتھ کہتا تھا کہ میں نے بکرے کی ران کو اپنی ناک سے بندھی اور لٹکتی ہوئی دیکھا وہ واقعی مخبوط الحواس تھا۔ ایک نانبائی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے کو مکھن کا سمجھتا تھا اور اس خیال سے کہ کہین پگھل نہ جاؤں، دھوپ میں جانے سے سخت پرہیز کرتا تھا۔ ایک پنسر صاحب کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میرا جسم ٹیین (　　　　　) میں تبدیل ہو گیا ہے اور اسلئے بلا دباؤ کے وہ چلنا پھرنا اپنے لئے سخت خطرہ کا باعث سمجھتے تھے۔ بعض نے خود بلور کا سمجھ لیا تھا اور بیٹھتے اٹھتے ڈرتے تھے کہ کہیں شگاف نہ پڑ جائے۔ لوتھر کے علم و کمال سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن بعض صورتوں میں وہ اچھا خاصا خبطی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھ پر ایک بھوت سوار رہتا ہے۔ اس نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا ہے کہ مجھے کس طرح بھوت نظر آتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں اسے ہجو اور طعنہ زنی سے بھگانے کی کوشش کیا کرتا ہوں اس کا خیال تھا کہ برا بھلا کہنے سے بھوت و شیطان کو بھگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر فریڈلے کے

زیر علاج لوتھر کا ہمخیال ایک مریض تھا وہ کہتا تھا کہ میں غلطی سے بھوت نگل گیا ہوں، بعض کو یہ وہم ہوجاتا ہے کہ ہمارے پیٹ میں سانپ اور مینڈک پیدا ہوگئے ہیں - ایک عورت کو تو یہ وہم ہوگیا تھا کہ ایک پوری پلٹن میرے شکم میں موجود ہے - ایک عورت نے اپنے آپکو اس قدر فربہ اندام سمجھ لیا تھا کہ دروازے سے گذر ہی نہیں سکتی جب اسے زبردستی دروازے سے ڈھکیل کر پار کیا گیا تو وہ زور سے چیخی گویا دروازے نے اس کے جسم کے ڈھانچے ہی کو خراب کر دیا ہے اور لطف یہ کہ وہ اسیوقت مر بھی گئی۔ توہم پرستی اور مخبوط الحواسی کی بھی کوئی حد ہے؟ ایک عورت کو یہ وہم گیا تھا کہ میں مردہ ہوں، میں دنیا میں بغیر دل کے بھیجی گئی ہوں، اور مخلوقات خداوندی سے میں بالکل نرالی ہوں؟ (Friends Retreat) نیویارک میں ایک خط محفوظ ہے جس میں لکھا ہے "میں بے روح ہوں میرے پاس دل جگر اور پھیپھڑا نہیں ہے اور نہ میری رگوں میں ایک خون کا ایک قطرہ ہے - میری ہڈیاں جل چکی ہیں میرا سر کبھی لوہے کے مانند سخت ہوجاتا ہے اور کبھی انڈے کی زردی کی طرح نرم - فرانسیسی انقلاب کے وقت جب ایک سرے سے دوسرے تک طوائف الملوکی برپا تھی ایک شخص کو یہ وہم ہوگیا کہ میرا سر بدل گیا ہے اور اصل سر کا مالک بھوت بنکر مجھے ستایا کرتا ہے - بشپ واربرٹن نے اپنی تصنیفات میں ایک جگہ چند مخبوط الحواسوں کا تذکرہ کیا ہے ایک شخص کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خود کو ہنس سمجھتا ہے - اکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک آدمی نے اپنے آپ کو مردہ تصور کر لیا اور چارپائی پر لیٹ کر گرجا کے گھنٹوں کے بجنے کا انتظار کرنے لگا - (کیونکہ جب کوئی مرجاتا ہے تو عیسائی گرجا کے گھنٹے بجاتے ہیں) جب متوقع وقت پر گھنٹے نہ بجے تو بڑے غصہ میں بھرا اٹھا اور دوڑا دوڑا جا کر گھنٹے بجادیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ آج مردے نے خود گھنٹے بجادئے ہیں - سائمن براؤن نے جو وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز رہ چکے تھے ٹنڈل کی کتاب (Christianity as old as creation) کے جواب میں ایک کتاب لکھی ہے جسکے پڑھنے کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی اس کی قوت استدلال کا لوہا نہ مان لے - لیکن آپ کی نظر اگر اسی کتاب کے ڈیڈیکیشن پر پڑجائے جو اُس نے ملکہ کو مخاطب کر کے لکھا ہے تو آپ اس شخص کو فوراً جھکی اور خبطی کا خطاب دیدینگے - اُس نے اس مخاطبہ میں لکھا ہے کہ بحکم خداوندی میری شائستہ روح پرواز کر گئی ہے اور اسوقت مجھ میں ایک بدتمیز روح موجود ہے - اس کے بعد کتاب کے اس حصہ کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا - سوئڈنبرگ کے نواب کو جو بڑا تعلیم یافتہ اور قابل آدمی تھا یہ خیال ہوگیا تھا کہ خدا سے تیس برس خط و کتابت کرنے کے بعد مجھے قدرت کے اسرار و عوامض پر عبور حاصل ہوا ہے - کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی جھجک کے ایک مہذب تعلیم یافتہ شخص اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

اسی قسم کا ایک واقعہ پسکل (Pascal) سے متعلق مشہور ہے کہتے ہیں کہ ایکبار جبکہ وہ ریاضی کے کسی مشکل مسئلہ کو حل کرنے میں مشغول تھا، خود کو کرسی سے بندھوا لیا اور سامنے ہی زمین پر اوندھا ہوگیا، اسے یہ وہم ہوگیا تھا کہ میرے سامنے نہر بہ رہی ہے اور میں اس میں غوطے لگا رہا ہوں -

(۲)

دہشت سودائیت اور خبط میں پورا دماغ مختل نہیں ہوتا - ہاں کسی ایک نکتہ پر ناقابل تزلزل تعین و ایمان ضرور پایا جاتا ہے

یعنے مریض دوسرے مباحث پر عالمانہ گفتگو کرے گا، خبطی کتاب پڑھیگا اور سمجھیگا۔ رنگائی کا کام کرے گا، مکانیکل امور میں اپنی ذہانت کا ثبوت دیگا اور اپنے خبط کو پورا کرنے میں بھی اس قدر اپنی انتہائی فراست کو صرف کردیگا کہ آپ حیران ہوکر اسے پاگل کا تمغہ دیدیں گے اس قسم کا ایک خبطی لارڈ مینس فیلڈ کی عدالت میں پیش ہوا تھا اس نے دن بھر اپنے گول مول جوابات سے عدالت کو پریشان کردیا اور لوگوں کو پوری طرح آگاہ کرادیا کہ میں سودائی ہوں، ڈاکٹر بٹی بھی وہاں موجود تھے یہ سمجھ گئے کہ کس خاص امر پر گواہ کو وحشت ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے سوال کیا "ہاں بھئی! اس شہزادی کا کیا حال ہوا جسکے ساتھ آپ شاہ دانہ کے عرق سے خطوط لکھکر اظہار تعشق فرمایا کرتے تھے" گواہ یکایک اپنی تمام فراست کھو بیٹھا اور کہنے لگا "جناب آپ سچ فرماتے ہیں میں قلعہ میں بند تھا وہاں دوات قلم نہ تھی میں نے شاہ دانے کے پانی سے خطوط لکھکر نہر میں چھوڑے اور وہ کشتی کے ذریعہ شاہزادی کو مل جاتے تھے" معاملہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خبطی ان خاص نکات پر جس کا خبط ان پر سوار رہتا ہے اپنی ذہانت کو حیرت انگیز حد تک بڑھا لیتے ہیں۔ ڈاکٹر رشں کہتے ہیں کہ ایک خبطی عورت میرے زیر علاج تھی، یہ عورت بیحد خود نظم کرتی اور گاتی تھی حالانکہ اس سے پہلے کبھی اسے مشق کرنیکا موقع نہ ملا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ اسکا حس شعری المضاعف ہوگیا تھا اور اس کی دیگر دماغی حالت میں ابتری برپا تھی ڈاکٹر مذکور خبط کے دو واقعے اور جانتے ہیں جن میں نقشہ کشی پر ذہانت کے ثبوت پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر وس کو ایک ایسے مریض سے سابقہ پڑا تھا جو خبط سوار ہوتے ہی مشہور لاطینی کتب کے اقتباسات مزے لیکر پڑھا کرتا تھا اور دوسرے اوقات پر وہ کچھ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ڈاکٹر کاکس کا بیان ہے کہ میری نگرانی میں ایک گویا مریض تھا جو معمولی مسائل پر بھی مجنونانہ گفتگو کرتا تھا لیکن ساز سے اس قدر عمدگی کیساتھ گانا گاتا تھا کہ لوگ عش عش کرتے تھے ڈاکٹر رشں لکھتے ہیں کہ میرے مطب میں ایک مریض تھا جو میرے اسٹاف (عملہ) اور مریضوں کو اپنی فصاحت اور خوش کلامی سے دوران تغزل میں خوب مہنسایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر پنیل مشہور فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ میں ایک ایسے مریض کو جانتا ہوں جو روزمرہ کی گفتگو میں بھی اپنے گنوارپن کا ثبوت دیا کرتا تھا لیکن جب اس پر ایک خاص حالت طاری ہوتی تھی تو نہایت پرشکوہ انداز سے انقلاب فرانس پر فصیح و بلیغ تقریر کیا کرتا تھا۔

بخار کی حالت میں بھی اس قسم کی مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ وہ شخص جو بخار سے پہلے معمولی طور سے گاتا حرارت سے متاثر ہونے کے بعد نہایت عمدگی سے گاتا ہے ایک شخص معمولی گفتگو بھی بلا جھجک کے نہیں کرسکتا لیکن بخار کی حالت میں کسی موضوع پر ایک لمبی تقریر کرنے پر قادر ہوجاتا ہے لیکن یہ حالت عارضی اور کم دیر پا ہوتی ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس میں قوائے دماغی پر بحث تھی اب ہم احساسات و رجحانات سے بحث کریں گے جو خبط کی حالت بالکل بجا نہیں رہتے۔ بعض کو آپ مذہب کا سودائی پائیں گے کسی کو اور کوئی قابل قدر جنوں ہوگا بعض ناپاک خیالات کے مرکز ہوں گے کسی کی طبیعت میں شرارت جاگزیں ہوگئی ہوگی کسی کو چوری کی لت ہوجاتی ہے کوئی ہمیشہ غضبناک پایا جاتا ہے۔ کوئی ہمیشہ خوش ہم کہاں تک ان کی تشریح کریں۔ "ہر شخص بخیال خویش خبطے دارد" لکھدینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ بعض تو بہت ہی خطرناک خبط رکھتے ہیں اور اپنا ہی قصہ پاک کرنے کی فکر میں رہتے ہیں یا دوسروں کو قتل کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔

میری طالب علمی کے وقت کیمبرج یونیورسٹی میں ایک آدمی تھا جو تین بار کالج کو نذر آتش کرنے کی کوشش میں پکڑا گیا اور اسی شخص کی نسبت کہا جاتا تھا کہ یہ جب کمسن تھا ایک بچے کو پانی میں ڈوبا کر مارنا چاہتا تھا۔ تاہم اسے کسی نے یونیورسٹی میں پاگل نہیں متصور کیا۔

مسٹر بونز اور ان کی بیگم کے قاتل کو آپ جانتے ہوں گے جو انھیں کا وفادار ملازم تھا ایک رات وہ اٹھا اور ہاتھ میں کرچھا لیکر ان کی خوابگاہ میں پہونچا اور دونوں کو بلا خوف موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عدالت نے وجہ پوچھی تو وہ کچھ نہ بتلا سکا اس نے کہا "یہ میرے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے لیکن اس کو رات میں یکایک قتل کرنے کی تحریک ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب شیطان کی رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ چونکہ اس کے اور کسی کام میں جنون کا شائبہ نہ پایا جاتا تھا عدالت نے اُسے پھانسی کا حکم دیدیا۔

ڈاکٹر گال ویانا کے ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو ایک خونی مقدمہ میں گواہ تھا اور شوق قتل کے اظہار میں خود پھانسی کے تختہ پر چڑھ گیا۔ لیکن اسی وقت اسے موقع کی اہمیت کا خیال بھی ہو گیا تھا اس نے عدالت ہی میں ایسے فعل اور جرم پر نفرت کا بھی اظہار کیا اور بہت چیخا چلایا لیکن عدالت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور فیصلہ بحال رہا۔

پنیل کہتا ہے کہ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جسے قتل کا جنون ہو گیا تھا۔ پہلے اس نے اپنی بیوی کو متنبہ کیا کہ وہ کہیں چلی جائے جب وہ اس کی دسترس سے باہر ہو گئی تو وہ اپنی ہی جان کے پیچھے پڑ گیا اور کئی بار خودکشی کی کوشش کی اسے ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا تھا۔

مسٹر ہل کی کتاب میں ایک شخص کا واقعہ جو ۱۸۰۶ء میں بعدالت نارو ک پیش ہوا تھا یوں بیان کیا گیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو زخمی اور بچے کا گلا گھونٹ دیا تھا اسی شخص کی نسبت مشہور تھا کہ اُس نے خود کو ایک ہفتہ تک رسی سے باندھ رکھا تھا کہ اپنے خطرناک جذبۂ خونریزی سے متاثر ہو کر کسی کو قتل نہ کر دے۔ لندن کے ایک خاندان کے فرد یہ جملے ہوا کرتے تھے "خدا کے لئے مجھے پابند سلاسل رہنے دو۔ مجھے ذرا آزادی ملی کہ میں نے اپنی اور اپنی بیوی کی زندگی کا خاتمہ کیا۔ میں اس وقت تک خوب یاد رکھو کہ اس کام کو ضرور کروں گا جب تک مجھ میں تھوڑا سا بھی قتل کا جذبہ پایا جائیگا۔

دیکھو! مجھے ہرگز نہ چھوڑنا غیب سے یہ آواز آ رہی ہے کہ میں ایسا ضرور کروں گا اور میں کروں گا" ڈاکٹر گال فری برگ کے ایک قیدی کا حال لکھتے ہیں جس نے متواتر چار بار اپنے گھر کو آگ لگائی تھی اور جو آگ لگانے کے بعد بجھانے کی کوشش کرتا تھا۔ بعض اچھے لوگوں کو چوری کی لت پڑ جاتی ہے جو بظاہر صحیح الدماغ معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گال کہتے ہیں کہ اسپین کے پہلے بادشاہ کو معمولی چیزیں چرانے کا شوق تھا ایک جرمن بھی محض اسی جذبہ کا شکار پایا گیا ہے وہ معمولی سے معمولی چیز چرا کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔ ایک اور آدمی کو بھی شوق ہو گیا تھا، وہ بیچارہ فوج میں بھرتی ہو گیا کہ شاید فوجی پابندیاں اسے اس شوق کو پورا کرنے کا موقع نہ دیں گی لیکن اس کا جذبہ وہاں بھی کارفرما رہا۔ آخرکار اسے پھانسی کے تختہ پر چڑھنے کا موقع دیا گیا۔ لیکن کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا پھر اس نے فقیری اختیار کی کہ شاید اس طرح چوری کی لت باقی نہ رہے اور پھر بھی کامیاب نہ ہوا۔ ڈاکٹر گال ویانا کے ایک اور شخص کا واقعہ لکھتے ہیں جسے یہی لت تھی اور چوری کے مال کو رکھنے کے لئے ایک گھر کرایہ پر لے رکھا تھا۔ یہ اشیاء خانہ داری کو چرایا کرتا تھا اور

گودام میں زیادہ مال ہو جاتا تھا فروخت کر دیتا تھا۔ لیڈن کے ایک ڈاکٹر کی بیوی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی چیز کے چرائے کسی دوکان سے سودا نہ لیتی تھی۔ کاؤنٹس آف فرانک فورٹ کو بھی یہی لت تھی۔ تم نے اس حکیم کا قصہ سنا ہوگا جس کی بیوی کو ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج مریضوں کے جیبوں کو ٹٹولنے کا مرض تھا وہ ان میں جو کچھ باقی تھی نکال لیتی تھی کچھ نہیں تو اس کے شوہر کی فیس تو ضرور اسے ضرور مل جاتی تھی۔

میرز نے اسی قسم کے ایک عادی مجرم کا حال لکھا ہے جس نے دوران مقدمہ میں بھی ایک ناس کی ڈبیہ چُرانے کی کوشش کی تھی پادشاہ بیویریا کے ڈاکٹر برنز بیان کرتے ہیں کہ میں ایک نوجوان کو جانتا ہوں جو ہر طرح فارغ البال اور تعلیم یافتہ تھا اور پھر بھی وہ چوری کرتا تھا اس کے باپ نے فوج میں بھرتی کر دیا لیکن وہاں بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا اور ایک روز پھانسی دیدیا گیا۔

ایک خاندانی لڑکے میں یہ لت پائی جاتی تھی حالانکہ وہ بڑا قابل اور ہر فن مولا تھا۔ لیکن باوجود کوشش اس خراب عادات سے پیچھا نہ چھوڑا سکا۔ میں اسی قسم کے بہتیرے خبط کے قصے بیان کر سکتا ہوں جن پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاعل عادی مجرم نہیں ہیں بلکہ ان میں چوری ڈکیتی قتل وغیرہ کرنے کا ایسا جذبہ شوق اور رغبت ہو جاتی ہے جس کے لئے بغیر اُن کو چین نہیں پڑتی

(۳)

اگر اس ملک میں (یوروپ میں) کوئی عورت اپنے مردہ شوہر کے ساتھ جلنے مرنے کو تیار ہو جائے تو ہم اسے پاگل کہیں گے۔ لیکن ہندوستان جہاں ایسی تعلیم ہی دی گئی ہے اُسے پاگل نہیں کہا جاتا ۱۸۲۱ء میں مسٹر بکسٹن نے پارلیمنٹ میں بیان کیا تھا صرف فورٹ ولیم پریسیڈنسی میں چار برس کے اندر ۲۳۶۶ بیواؤں نے اپنے آپ کو ستی کر دیا تھا۔ ان میں سے چند کی عمر میں بارہ تیرہ برس کی تھیں ایک صرف آٹھ سالہ تھی اور ایک گیارہ سالہ تھی۔ اس بیوہ کو جب ستی ہونے سے روک دیا گیا تو اپنی قربانی کرنے کو تیار ہوگئی لیکن حکام نے بلدان بھی نہ ہونے دیا وہ چار پانچ روز متواتر اداس رہی یعنی روزہ رکھا اور عہد کر لیا کہ جب مجھے موقع ملیگا میں ستی ہو جاؤں گی اور اس غرض کے لئے اس نے اپنے مردہ شوہر کی کچھ ہڈیاں اپنے پاس رکھ لی تھی۔ ایسا کام ہمارے ملک میں شاید بغیر دماغی اختلال کے ظہور پذیر نہ ہوگا۔ جہلا فلاسفروں کو ہمیشہ پاگل کہتے آئے ہیں۔

کو عوام نے صرف اس وجہ سے کہ اس نے ایک انسانی نعش کو اختلال دماغ کی تحقیقات کے لئے استعمال کیا تھا پاگل مشہور کر دیا تھا اور لوگوں کو کہا تو نہیں بلکہ تم لوگ واقعی پاگل ہو۔ ایک پاگل کہتا تھا کہ میرا دماغ باقی دوسرے لوگوں کی طرح بالکل صحیح ہے لیکن چونکہ بکثرت لوگوں کو اس سے اختلاف تھا اسے پاگل خانہ میں ڈالدیا گیا۔ مسٹر پسیول کا قاتل بلینگھم کمزور دماغ کا آدمی تھا۔ اس کے دماغی معائنہ سے معلوم ہوا کہ اس کے دماغ کا اگلا حصہ مختل اور خراب ہو چکا ہے۔ اور پچھلا اپنی فطری حالت پر قائم ہے۔ یہ شخص عدالت میں پیش ہوا اور قابل دار قرار دیا گیا۔ اور بظاہر اس میں جنون کے کوئی آثار پائے بھی نہ جاتے تھے۔ لیکن جو کوئی بھی اس کی دماغی حالت سے آگاہ ہوگا وہ اگر اسے خطرناک سمجھکر یکلخت رہا نہ کر دے گا تو اس کی جان لینا بھی گوارا نہ کرے گا۔

ایک آدمی خودکشی کرتا ہے اور ہم بلا دلیل اسے خبطی اور وحشی کہدیتے ہیں۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ہزاروں مجرم جنھوں نے خلل دماغ کیوجہ سے ارتکاب جرم کیا تھا مستوجب سزا قرار دئے جاتے ہیں اور ہزاروں مستوجب سزا رہا ہو جاتے ہیں۔ بعض وقت عین موقع پر یہ سمجھ لینا کہ جنونی ہے ناممکن ہو جاتا ہے۔ "مجھے خوب یاد ہے" لارڈ ارسکن کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے ہی بدنصیب جنٹلمین سے واسطہ پڑا تھا جس نے اپنے چہیتے بھائی اور ملازم کو قتل کر دیا تھا۔ میں دن بھر اس سے جرح کرتا رہا اور کوئی رائے قائم نہ کر سکا آخر ش جب مجھے معلوم ہوا کہ میرا مخاطب مجنون ہے تو مجھے شرمندگی سے گردن جھکا لینا پڑی یہ شخص اپنے آپ کو مسیح زماں اور دنیا کا نجات دہندہ بتلاتا تھا۔

جنونی عموماً بہرے ہوتے ہیں۔ اکثروں کی قوت شامہ بھی خراب ہوتی ہے ان کو ہر فضا بوباس سے بھری ہوئی محسوس ہوتی ہے آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکثر ناک پر رومال رکھکر گفتگو کرتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ بکثرت پاگل ناس کے شائق ہوتے ہیں۔ بعض وقت یہ شدت سے پیاسے پائے جاتے ہیں اور کبھی ان کو خوب بھوک معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کبھی گھنٹوں ان کو بھوک پیاس نہیں معلوم ہوتی کبھی یہ شہ زور ہو جاتے ہیں اور اپنی صحت سے زیادہ قوت کا مظاہر کرتے ہیں۔ پاگل کئی دن بلکہ ہفتوں مطلق نہیں سوتے۔ مذکورۂ بالا غیر معمول عادتوں کو اختیار کر لینے سے اکثر پاگلوں کی زندگی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ بعض پاگلوں میں انتہائی شائستگی پائی جاتی ہے وہ اسقدر اخلاق سے پیش آتے ہیں کہ آپ مصیبت میں خود کو گھرا ہوا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ آپ شکم سیر ہیں اور اس لئے معذرت خواہ لیکن وہ ضرور کھانا کھلائیں گے۔ بعض وقت آپ کسی وقت جائیں لیکن وہ بضد ہو جائیں گے کہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھا کر جائے۔ ایسے کئی خوش قسمتوں کو میں جانتا ہوں جو زبردستی روک لئے گئے ہیں اور پھر معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک دیوانے کے مہمان تھے۔

آغاز دور جدید سے قبل دیوانگی کا علاج بیرحمانہ سلوک میں مضمر سمجھا جاتا تھا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کبھی مادی ایذا رسانی سے دیوانوں کا علاج کر کے اپنی دیوانگی کا ثبوت بھی دیا گیا یا نہیں؟ عرب کے حکیم (Rhazes) کا قول ہے کہ ان بوالہوسوں کا علاج جو حسن پرستی شعار کرتے ہیں، ہاتھ پیر باندھ کر گھونسہ بازی سے کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے مصنف کا قول ہے کہ جوانی کے دیوانوں یا محبت کے دیوانوں کو خوب اچھی طرح باندھ کر تازیانے رسید کرنا چاہئے اگر اس عمل سے اس کی دیوانگی دور نہ ہو تو اسے ایک تاریک گوشہ میں بند کر دینا چاہئے۔ تاکہ وہ خود رہائی کی درخواست کرے

ایک نوجوان افکار و آلام کے ہجوم سے دیوانہ ہو گیا جب اس کی دیوانگی کچھ کم ہوئی تو اس نے مجھ سے التجا کی کہ مجھے اپنی بیوی سے ملا دیجئے چونکہ وہ دیر تک اسے اُسکے اپنے مطالبہ سے باز نہ رکھا جا سکتا تھا میں اسکے ساتھ صرف تین گھنٹہ رہا اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ اسے اس کی بیوی سے ملا دینا مفید ثابت ہو گا۔ پہلے اس نے کہا مجھے اس خوابگاہ سے جانے دو میں گھر کے دوسرے کمرے دیکھنا چاہتا ہوں میں اسے لیگیا اور ایک ایک کمرہ بتلاتا پھر میں نے دیکھا کہ اس طرح اسکی وحشت میں اور کمی ہوئی۔ اُس نے کئی عجیب عجیب خواہشوں کا اظہار کیا اور میں نے اُن کو پورا کیا۔ ایک بار اس نے سڑک پر ایک مرغے کو دیکھکر کہا اس مرغے کو میں مارونگا اس کا رنگ مجھے بہت ناگوار معلوم ہوتا ہے جب تک میں اسے مار نہ دوں مجھے چین نصیب نہ ہو گا۔ میں نے اسکی یہ بھی خواہش پوری کی اور وہ بہت خوش ہوا۔ بعد ازاں اسے اسکی بیوی سے ملا دیا گیا اور اس کا اس قدر اچھا اثر پڑا کہ اسکی تمام دیوانگی جاتی رہی۔

(ڈاکٹر الائٹ سن)

(مترجم، فاروقی)

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

(فسانہ)

اتابک سعد زنگی شیراز میں ایک رحمدل وخداترس بادشاہ گزرا ہے۔ صرف اس میں یہ خرابی تھی کہ شیراز کو بالکل غیر محفوظ چھوڑ کر ملک گیری کی ہوس میں الوالعزمانہ دیگر ممالک پر چڑھ دوڑتا تھا۔ ادہر تاتاری پایۂ تخت کو خالی پاکر تاخت وتاراج کردیا کرتے تھے ان آئے دن کی مصیبتوں نے ہی تو شیخ سعدی سے پیارا وطن چھڑایا تھا۔

اصول سیاست کیخلاف ایک بات سعد نے یہ کی کہ ابتدا ہی سے رعایا کے لئے کسی قسم کا قانون ترتیب نہیں دیا جس ملک میں کوئی قانون یا ضابطہ نہیں ہوتا اُس کے باشندے قوم بنی اسرائیل کی طرح غیر متمدن وآوارہ ہوجاتے ہیں۔ صرف ایک بار یہ حکم جاری کیا گیا تھا کہ اگر کسی عورت پر کوئی مرد ناجائز طور پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کا سر قلم کردیا جائے مگر اس کی لاابالی طبیعت نے اس حکم کا نفاذ بھی سختی کے ساتھ نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاوہ اور بہت سے جرائم کے حسینان شیراز پر علانیہ ڈاکے پڑنے شروع ہوگئے اور شرفا کی عزت وناموس کو بُری طرح برباد کیا جانے لگا۔

رعایا کی مجرمانہ حرکات کا احساس اب سعد کو بھی ہوا۔ مگر اس کے معاملہ فہم دماغ نے یہ مشورہ دیا کہ اصلاح کی جانب بتدریج مائل ہونا مناسب ہے ورنہ فوری تغیر وسخت گیری سے خطرہ تھا کہ لوگ کہیں ایکدم نہ بھڑک اُٹھیں۔ ہر مصلح عوام کی ذہنیت کو مدنظر رکھ کر مائل باصلاح ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ طے کیا کہ ہر قسم کی قانونی سختی برتنے اور عورتوں کے اغوا کی انسداد کے لئے اپنا ایک نائب مقرر کرکے خود روپوش ہوجائے۔ اس نائب کو اختیار کلی تفویض کردے جائیں کہ اگر دلفروش نوجوان پھر کسی حسینہ پر دوڑے ڈالنے کی جسارت کریں تو ان کو بیدریغ سزا دیجائے۔

مہابت نامی ایک رکن سلطنت کو جو نہ صرف بلحاظ تقدس اہالیان شہر میں مشہور تھا بلکہ تعزیر میں سخت اور عدل وانصاف میں بھی شہرۂ آفاق تھا سعد نے اپنی نوجوان رعایا کی اخلاقی خرابیوں کی اصلاح کے لئے مختار کامل بناکر شہر میں اعلان کرادیا کہ بادشاہ بغرض حج خانۂ کعبہ جارہا ہے۔ یہ زمانہ اسلامی آزادی کا تھا۔ بادشاہ سے لیکر عام لوگ تک ایک حالت میں حج کے لئے روانہ ہونا اظہار عقیدتمندی سمجھتے تھے۔ سعد بھی تنہا بے سروسامانی سے روانہ ہوا مگر فی الحقیقت وہ عازم حج نہ تھا۔ بلکہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ نیا راعی کس حکمت عملی سے اس دشوار امر کو انجام دیتا ہے جسکی تمام مشکلات کا بانی وہ خود تھا۔ رات کو گڈریہ کا بھیس بدل کر شہر میں آگیا اور رعایا پر سخت گیری کرنے کا انجام دیکھنے کے لئے آمادہ ہوگیا جو اس کی سیاسی کمزوریوں سے خودسر سہل انکار اور بے اعتدال بنی ہوئی تھی۔

حکومت کی اس تبدیلی کے کچھ عرصہ بعد ہی ایک شریف زادہ جودت سے ایک حسینہ کی سوز محبت میں جل رہا تھا اپنی داعیات قلب کی اخیر آزمائش کے لئے اس کی خدمت ناز میں گیا اور الحاح مجسم و سراپا عجز ہوکر بولا "شمیمہ! تمھاری پر لطف سرد مہریاں

اب مجھے فریب نہیں دے سکتیں کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے میرے ذہن میں تمھاری مفارقت سے نجات پانے کی ایک تدبیر آئی ہے بشرطیکہ تم بھی میری خستہ حالی پر رحم کرکے اُس کو قبول کرلو۔" شمیمہ کو جلال رزمی سے (اس نوجوان کا نام تھا) محبت تھی۔ اس کی تدبیر سننے کو استفساراً اس کی جانب دیکھا۔ جلال نے جرأت سے کہدیا کہ ہم یہاں سے فرار ہوکر کسی دوسرے شہر میں پہنچ جائیں اور وہاں محبت کی مطمئن زندگی گزاریں۔ شمیمہ نے تذبذب کے ساتھ اس پرخطر تدبیر کو سنا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کو ایک خیال آ رہا تھا۔ اس کے پاس یہ یقین کرنے کے لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ یہ محبت نئے قانون کی بندشوں کو بھی خاطر میں نہ لاکر جلال کو ہمیشہ اس کا پرستار بنائے رکھنے میں کامیاب ہوسکے گی۔ آخر میں تھوڑی سی کشمکش کے بعد آمادہ ہوگئی اور یہ دونوں خدا کے مقبول و قانون شیراز کے مقہور لوگ نکل بھاگے۔ مگر بدنصیب جلال گرفتار کرلیا گیا۔ بچیس نہابت محبت کی قوت استمالت اور عجز و انکسار سے متاثر ہونا قطعی نہ جانتا تھا اس نے فوراً جلال کا سر قلم کرنے کا حکم دیدیا۔

شہر کے چند معزز لوگوں کی جان بخشی کے لئے نہابت کے پاس سفارشین آئین ـــ عمائد سلطنت میں سے فرید نامی ایک نیک شخص نے پرزور الفاظ میں اس کی سفارش کی مگر نہابت نے روکھے پن سے کہدیا "جناب! قانون کو جانوروں کے ڈرانے کا پتلا نہیں بنا دینا چاہئے۔ جیسا کسان اپنی زراعت کی حفاظت کے لئے بناکر کھڑا کردیا کرتے ہیں۔ جلال کی جان بخشی ناممکن ہے۔"

فرید مایوس ہوکر جلال کے پاس قیدخانہ میں پہنچا اور اس کی تسکین کرنی چاہی۔ مگر جو عشق کی بلاؤں سے نہیں ڈرتے ان کو موت کا کیا خوف؟ لیکن پھر کوئی تمنا تھی۔ کوئی مٹی مٹی سی آرزو تھی جو اس کو مرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ پژمردہ آواز میں بولا "میری بہن کو اس جانکاہ واقعہ کا علم نہیں ہے۔ اس عفیفہ کو جاکر مطلع کردو، اس کے بدنصیب بھائی کی گردن ماری جانے والی ہے۔ اگر اس کی جادو بیانی نہابت کی قانونی مہابت کو کم کرسکتی ہو تو اس سے کہنا کہ جاکر میری سفارش کرے۔"

جلال عالی نسب سادات میں سے تھا اس کے باپ کا انتقال ہوچکا تھا صرف ایک چھوٹی بہن رہ گئی تھی۔ اس عفیفہ کا عنفوان شباب کا عالم تھا مگر وہ سادات خواتین کی مقدس زندگی اور عصمت کا قابل صد ستائش نمونہ تھی۔ فرید نے جاکر تمام کیفیت اس سے بیان کی اپنے بھائی کی اس بے عنوانی پر وہ ناخوش نہیں ہوئی ایک پُر درد آہ کو ضبط کرتے ہوئے اس کی سزائے موت کی خبر کو سنا۔ حلق میں یکدم امنڈ آنے والے دلی صدمہ سے پھندا لگ گیا جب تک گرم گرم آنسوؤں نے عارض گلگوں پر بہکر رومال کو اچھی طرح تر نہ کردیا دل کا بخار کم نہ ہوا۔ آخر پریشانی کو ضبط کرکے بولی "اچھے چچا! اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ آہ کس طرح سنگدل نہابت سے اپنے بھائی کو بچاؤں؟"

فرید: "بیٹی میرا اعتقاد ہے کہ تضرع و الحاح ایک عام صورت میں ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتا۔ انکسار بھی ایک مستقل ایکٹ (فن) کے شعبے میں آجاتا ہے۔ اس کے لوازمات پُر درد لہجہ، موثر الفاظ، درد انگیز بیان اور مسترحم ادائیں ہیں۔"

طاہرہ: "افسوس مجھے ان تمام قوتوں کی آزمائش کا اب تک موقع ملا ہی نہیں پھر کیسے یقین کرلوں کہ نہابت جیسے مستقل مزاج اور سخت دل شخص کو ملائم کرسکوں گی؟"

فرید - تمہارے یہ شکوک جلال کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ یہ خیالات خواہ مخواہ تمہاری ان قوتوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ تم ایک بار کوشش تو کرو وہ بھی آخر انسان ہے تمہارے قبضہ میں ایک اور آلۂ تسخیر ہے .... جس سے مہابت انسان ہونے کی حیثیت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔" باحیا طاہرہ اپنے حسن کی ستائش میں ان الفاظ کو سنکر کچھ شرما گئی مگر پھر مستقل لہجہ میں بولی۔ "اچھا محترم بزرگ! میں اپنی تمام قوتوں کے ساتھ مہابت سے مقابلہ کروں گی۔"

شام کو وہ مہابت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انتہائی تضرع و لجاجت سے بولی: "شاہ شیراز! میں تیری خدمت میں بھیک مانگنے آئی ہوں۔ امید ہے تو مجھ دکھیا کی دردبھری کہانی ضرور سنے گا۔"

مہابت (اپنے قدرتی کرخت لہجہ کو ذرا دھیما کر کے) کیا چاہتی ہو؟

اسوقت کی سخت آواز میں قدرے ملائمت محسوس کر کے طاہرہ نے اپنے بھائی کی جان بخشی کے لئے اس قوت بیان کو صرف کرنا شروع کر دیا جس کی آزمائش کا موقع اس کو بیشتر حاصل نہ ہوا تھا مگر اس کی سحر کاری سے توقع ضرور تھی کہ ناکامی کی ذلت سے محفوظ رہیگی۔ سنجیدہ مزاج مہابت عدالت کی غیر جانبدارانہ شان سے اس کی موثر اپیل کو سنتا رہا۔ آخر دھیمی آواز میں بولا "خاتون! اب کوئی مداوا نہیں۔ تمہارا بھائی قانون کی رو سے مستحق سزائے موت ہے۔"

طاہرہ۔ (مایوس ہوکر) "آہ خوفناک قانون!" وفور غم و مایوسی سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ باہر نکل آئی۔ مگر فرید جو یہاں پیشتر سے موجود تھا حوصلہ افزا لہجہ میں بولا: "اتنی جلد مایوس نہ ہو۔ پھر جاؤ۔ اس کا دامن عبا تھا مکر کھڑی ہو جانا۔ ابھی تم یقین نہیں کر سکتیں کہ تمہاری درخواست سختی کے ساتھ بالکل مسترد کر دیجائیگی۔" طاہرہ تازہ دم ہو کر پھر اندر داخل ہوئی اور زیادہ کامیابی سے حرف مطلب کا اعادہ کیا۔

مہابت۔ (ذرا تلون مزاجی سے) میں کہہ چکا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

طاہرہ (استقلال سے) کیوں نہیں ہو سکتا؟ جبس تیرے ارشاد میں نفاد قانون کی قدرت ہے کیا وہی حکم امتناعی نہیں بن سکتا؟"

مہابت: جاؤ جاؤ تم کچھ نہیں سمجھتیں۔" مگر اس بار طاہرہ نے زمین نہ چھوڑی۔ بڑی جرأت سے بولی۔ سلطان! اگر میرے بھائی کی جگہ تو ہوتا اور تیری جگہ میرا بھائی تو تو بھی اُس لغزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا جو اس سے سرزد ہوئی اور وہ بھی تیری طرح اس قدر سنگدل بجیس وجابر نہ بنا رہتا۔ کاش مجھے وہ اختیارات و مراتب حاصل ہوتے جنپر تو فائز ہے اور تو طاہرہ ہوتا تو معلوم کر سکتا تھا کہ ایک بھائی کی جان بچانے کے لئے کس قدر بیقرار ہو سکتی ہے۔" مہابت جری حسینہ! تو قانون کی اہمیت سے ناواقف ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تیرے بھائی کو سزائے موت قانون دے رہا ہے اگر وہ میرا بیٹا ہوتا تب بھی ناآشنا مراعات قانون اس کو وہی سزا دیتا۔ کل اس کی ضرور گردن ماردی جائے گی۔"

طاہرہ۔ (متوحش ہو کر) "آہ کل! اف! اس قدر جلد؟ خدا کیواسطے اس کی جان بخشدے۔ اس کی مرگ جوانی پر موت بھی روئے گی ایک حقیر سے ذی روح کو مارنے میں انسان اپنے دل میں ایک قسم کا درد سا محسوس کرتا ہے۔ پھر وہ تو انسان ہے۔ کیا غذا کی اشتہا

مخلوق عام ذی حیات کے مقابلہ میں قابل احترام نہیں؟ ذرا سوچو تو سہی اس جرم کی پاداش میں بیشتر بھی کوئی قتل کیا گیا ہے؟ پھر میرے بھائی کو کیوں سزائے موت دیجا رہی ہے۔ وہ شیراز کے اندر اس جرم کی پاداش میں پہلا مقتول ہوگا اور تو پہلا قاتل ——"

مہابت دلچسپی کے ساتھ اس حسینہ کے دلفریب چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پھر بولی۔ ذرا اپنے سینے کا تو جائزہ لے۔ دل کی گہرائیوں میں جھانک اور ضمیر سے دریافت کر۔ اگر وہ بھی میرے بھائی کے سے مجرمانہ احساسات اور اسی قسم کے قانونی مواخات کی لہر قدرتاً اپنے اندر محسوس کرنے کا اعتراف کرتا ہے تو تجھکو نادم ہونا چاہئے کہ اس جرم میں فقط تم دو شخص ہی شریک نہیں ہو بلکہ ہر نوجوان حسینہ کو دیکھکر ہر مرد اس جرم خفی میں مبتلا ہو سکتا ہے"۔ اس کے پرسحر کلمات نے مہابت کو متوحش سا کر دیا۔ ان الفاظ کو سنکر وہ چونک پڑا کیونکہ طاہرہ کے حسن کے جادو نے اس کے تجسس دل کے اندر ایک مجرمانہ خلش پیدا کر دی تھی۔ اس کے دماغ میں ناپاک خیالات وارد ہونا شروع ہو گئے تھے۔

ذہنی کشمکش سے عاجز آکر وہ اس حسین ساحرہ کے پاس چلے جانے کا قصد کرنے لگا۔ مگر طاہرہ۔ کے مخاطبانہ الفاظ سے پھر رک گیا

"شاہ میری جانب مخاطب ہو۔ میں تجھکو ایک معقول رشوت دینا چاہتی ہوں"۔

مہابت:۔ رشوت؟ مجھکو؟ اس قدر جرأت؟"

طاہرہ:۔ وہ رشوت ایسا مقدس تحفہ ہے جسپر قدرت خود برکتیں نازل کرتی ہے اس کے مقابلہ میں زر و جواہر جن کو ہمارے حریص خیالات اور بیکار ضروریات نے اس قدر قیمت دے رکھی ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ تحفہ ایک بیکس عورت کی زبان سے بصد تضرع نکلی ہوئی دعا ہے"۔

مہابت۔ (مغلوبانہ بدمزگی سے)"۔ اچھا اچھا —— کل آؤ میں تمھاری درخواست پر غور کرنے کی کوشش کرونگا۔ اپنے بھائی کی موت کے اس قلیل التواء سے وہ خوش خوش روانہ ہوئی۔ اس کو مسرت تھی کہ متلون مزاج مہابت کی مستقل و سنجیدہ طبیعت کا مقابلہ اس نے آج خوب کامیابی سے کیا۔

طاہرہ۔ (روانہ ہوتے وقت)"۔ خدا تیرے اقتدار و سطوت کو ترقی دے۔ اور تمام خطرات سے تجھکو محفوظ رکھے"۔

مہابت۔ (بآہستگی)"۔ آمین! خدا مجھکو تجھ سے بچائے اور تیرے نسوانی اوصاف سے امان میں رکھے۔ یہ مجھکو فتح کئے بغیر نہ چھوڑینگے" اپنی تلبی وار دگیر کا راز بہت دیر تک اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ چند منٹ بعد آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا"۔ یہ مجھکو کیا ہوا جا رہا ہے۔ اس پرفگن حسینہ کی آواز سننے کے لئے میری روح کیوں بیقرار ہوئی جا رہی ہے۔ وہ مستغیث بنکر میرے پاس آئی تھی یہ کیا ظلم کر گئی —— کل عجیب لطف ہوگا وہ مجھ سے درخواست کر رہی ہوگی اور میں اس کے قدموں میں جھکا ہوا ملتجی رحم و کرم ہونگا کیا میں اس نازک سی عورت سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ پاکدامن چھوکری میرے نا آشنائے محبت دل میں گھر کئے بغیر نہ رہیگی؟ اف! کاش میں اپنی ان تمام پیچیدگیوں کا خود علاج کر سکتا ——"

اپنی فطرت کی اس فوری پستی یا تغیر پر وہ بہت دیر تک متعجب رہا۔ اس کی بجواب خشب اس بدنصیب قیدی کی المناک التوی سے

سخت ترتھی۔ اسی رات کو نیکدل سعد نے (جو گڈریہ بنا ہوا تھا) زنداں میں جاکر جلال سے بہت سے کلمات تسکین کہے اور اس کی ڈھارس بندھائی۔ ادھر مہابت سخت کرب و اضطراب میں مبتلا رہا۔ اس کے دل میں خطاکاری کی ایک ہوک سی اٹھ رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ معصوم طاہرہ کو اپنی ہوس رانی کا شکار بنا دے۔ اُس پر قدرتی مغلوبیت سی طاری تھی ضمیر کچھ نیک مشورہ دینا چاہتا تھا۔ مگر کسی دفعۃً بھڑک اٹھنے والے جذبہ سے وہ اس قدر مغلوب تھا کہ بجز طاہرہ کی عصمت دری کی تحریص کے اور کسی خیال کی تائید کرنی نہیں چاہتا تھا۔ آخر یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس عفیفہ سے اس کے بھائی کی جان بخشی کے عوض وہ شے طلب کرے گا جس کو عورت عصمت کہتی ہے اور اُس پر سے ہر عزیز شے کو قربان کر دینے کی مدعی ہے۔

جب صبح طاہرہ پھر آئی تو اس کو مہابت نے فوراً اپنے کمرہ میں طلب کیا اور بیساختہ کہنے لگا "اگر طاہرہ تم اپنے دوشیزگی کو میری خواہشات کے مطیع کرنے کے لئے تیار ہو تو تمھارے بھائی کی جان بخشی کی جا سکتی ہے۔ ظالم طاہرہ! میں تجھ پر مرتا" عورت مرد کا راز دل پڑھ لینے میں کمال رکھتی ہے اس کو مہابت کے خیالات پیشتر ہی معلوم ہو چکے تھے۔ پُر سکون بشرے سے بولی "شاہ! میرا بھائی بھی تو مجرم محبت ہے پھر اُس کو سزا موت کیوں دیجا رہی ہے؟"

مہابت۔ یہ جرح قدح رہنے دو۔ اگر رات کو تم میرے ساتھ چپکے سے شعب بوان (ایران کی ایک مشہور نزہت گاہ) میں چلنے کو تیار ہو تو تمھارے بھائی کی جان بچ سکتی ہے۔" طاہرہ اس با اختیار شخص کو اس مجرمانہ حرکت پر آمادہ دیکھکر سخت متعجب ہوئی، آخر درشت لہجہ میں بولی "میں اپنے بھائی کی خاطر ہر قسم کی مصیبت و عذاب کے لئے تیار ہوں۔ اگر اس کے بالعوض میرے لئے سزا تازیانہ تجویز کیجاتی تو میں بیرحم کوڑے کی ضرب کے نشانات زیور کی مانند باعث زینت و فخر تصور کرتی۔ اگر مجھکو زندہ جلایا جانا تجویز کیا جاتا تو میں اس کے لئے بھی صبر و استقلال سے تیار تھی مگر اس قسم کی شرمناک و سفیہانہ خواہشات کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ آہ ——— لیکن۔ شاہ! تو کہیں مجھے آزما تو نہیں رہا ہے؟" مگر مہابت نے ایک والہانہ مفتونیت سے اس کے حسین چہرہ پر نظریں جما کر کہا "نہیں طاہرہ میں تجھ پر فریفتہ ہوں اور یہ میری دلی خواہش ہے جس کو میں نے ابھی ظاہر کیا ہے"

طاہرہ۔ (تمکنت سے) "سلطان! تجھے اپنے اعزاز و مراتب کا بھی خیال نہ رہا۔ اپنی نفسانی خواہشات کا غلام بنا جا رہا ہے میں ابھی تیری اس شیطنت کی باہر جاکر تشہیر کرتی ہوں۔ میرے بھائی کی جان بخشی کا پروانہ ملے ورنہ میں عوام میں تیری حقیقت کھول دونگی۔"

مہابت۔ دیوانی تیری اس ہرزہ سرائی کا میری متین و سنجیدہ طبیعت کا خیال کرتے ہوئے یقین کون کریگا۔ تیرے اتہام کا تار و پود بکھیرنے کو میری مشہور خوش خلقی ہی کافی ہے۔ اگر اپنے بھائی کی خیریت چاہتی ہے تو ضد سے باز آ ورنہ اس کا سر قلم کرا دونگا۔ جا کل سوچکر جواب دینا۔" طاہرہ غصہ میں بھری ہوئی باہر چلی آئی، اور اپنے بھائی کے پاس پہنچی جو سعد سے باتیں کر رہا تھا۔

طاہرہ "بھائی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں" سعد وہاں سے علیحدہ ہو گیا مگر باہر جاکر ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا جہاں سے ان کی گفتگو سن سکتا تھا۔

جلال: "کیوں عزیزہ! میرے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہوئی؟"

طاہرہ: "بھائی موت سے نہ ڈرو مردانہ وار جان دیدو۔"

جلال (لرزاں و ملگیں لہجہ میں) "کیا کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ہے؟"

طاہرہ: "ایک ہو سکتی ہے مگر اس پر عمل کر کے تم اپنے خاندانی اعزاز سے قطعی عاری ہو جاؤ گے اور اس کے بعد ہماری زندگی سخت بیحیائی کی زندگی ہوگی۔"

جلال: "آخر کہو تو کیا بات ہے۔"

طاہرہ۔ مجھے اس کو ظاہر کرتے ہوئے خطرہ ہے کہ کہیں تم اپنی جان کے مقابلہ میں میری اس —— قربانی کو حقیر سمجھ کر زندہ رہنے کے لئے آمادہ نہ ہو جاؤ۔ جان ہر شخص کو عزیز ہے۔ موت کی سختی ایک ننھے سے کیڑے سے دیوتک کے لئے برابر ہے۔ مگر جہاں حمیت و ناموس کا سوال آجاتا ہے وہاں موت کی صعوبتیں اور تکلیفیں آسان ہو جاتی ہیں اور انسان تحفظ عزت کے لئے جان دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔

جلال۔ طاہرہ یہ پکچر تم مجھے کیوں دے رہی ہو؟ کیا تم میری حمیت کو بالکل مردہ تصور کرتی ہو۔ اگر میری موت آہی چکی ہے تو میں تاریکی لحد سے ہمکنار ہونے کو بالکل تیار ہوں۔"

طاہرہ (خوش ہو کر) ہاں یہ میرے باحمیت بھائی کے الفاظ ہیں۔ یہ میرے نامور باپ کی نسلی خوبیاں بول رہی ہیں۔ بیشک تم کو مرجانا چاہئے۔ عزیز بھائی اُس جو نما گندم فروش نہابت کی منصف مزاجی اور تقدس کی اصلیت بھی مجھ سے سنو وہ میری دوشیزگی کی حرمت کو تباہ کر کے تمہاری جان بچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اگر مجھ سے تمہاری جان کے عیوض وہ میری جان طلب کرتا تو میں بصد فخر خنجر جلاد کے سامنے سر جھکا دیتی۔"

جلال: "خدا تیری عمر دراز کرے طاہرہ"۔

طاہرہ۔ (گلوگیر آواز میں) "آہ بھائی کل تمہارا سر قلم کر دیا جائیگا۔"

جلال۔ طاہرہ موت کا نام بہت خوفناک ہے۔"

طاہرہ: "ہاں مگر بیحیائی کی زندگی قابل نفرت و شرمناک ہے۔" اب موت کے بھیانک خیالات نے جلال کی خودداری و غیرت کو۔ دکرنا شروع کر دیا تھا جسطرح پھانسی کا حکم سنکر مجرم ہر جائز و ناجائز طریقہ سے اپنی جان بچانے کی اُمیدیں شروع کر دیتا ہے اسیطرح جلال کو موت کے ہیبتناک تصور نے جادۂ استقامت سے ڈگمگانا شروع کر دیا یکدم کھڑا ہو گیا اور انتہائی عجز سے بولا "پیاری طاہرہ —— مجھے بچالے —— میری جان بچانے میں جو گناہ تجھ سے سرزد ہوگا خدا اسکو ایک انسان کی جان صلہ میں عمل حسنہ سے تبدیل کر دیگا۔"

طاہرہ (غصہ سے) بزدل انسان! کیا تم اپنی بہن کی عصمت دری پر اپنی بیشرم زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ نفرین! صد نفرین! میرا خیال تھا کہ میرے بھائی کے سینے میں مردانہ و غیور دل ہے جو میری بے حرمتی کے مقابلہ میں سو بار سر قلم کرا دینے کے لئے اس کو آمادہ کر سکتا ہے۔"

جلال (شرم و افسوس کی درمیانی حالت میں) "طاہرہ ذرا سن تو سہی ------" مگر اپنی کمزوری و انفعال کی تائید میں جو بات کہنے والا تھا نہ کہہ سکا۔ سعد ایکدم اندر آگیا اور موثر الفاظ میں بولا "جلال! میں تمہاری تمام باتیں سن چکا ہوں تمہارے بچنے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی چنانچہ تم اپنی اس کمزوری اور ترغیب معصیت پر جس نے طاہرہ کے پندار میں ہیجان بپا کر دیا تھا تہ دل سے تائب ہو تا کہ خدا تم کو شہداء عشق کے زمرے میں جگہ دے"۔

جلال (نادم ہو کر طاہرہ سے) "طاہرہ! جب خدا تو بہ سے میری کمزوریوں کو درگذر کر سکتا ہے تو کیا تم مجھے معاف نہیں کروگی؟" طاہرہ نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا اور باہر آگئی۔ اس کے پیچھے سعد بھی آگیا طاہرہ کی تعریف کرتے ہوئے بولا "خاتون! جس صناع نے تیری ایسی بے عیب صورت بنائی ہے اس نے تجھے سیرت بھی ایسی بخشی ہے"۔

طاہرہ۔ بڑے میاں یہ تو بتاؤ کہ ہمارا بادشاہ سعد کب تک لوٹ آئیگا؟ میں اس کے آتے ہی اپنی بیکسی کی داد طلب ہونگی اس کے نائب نے میری سخت توہین کی ہے"۔

سعد۔ خدا مہابت کو خود سزا دیگا۔ اسپر بھروسہ رکھ اب میں تجھے ایک مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں جس سے امید ہے تیرے بھائی کی جان بچ جائیگی۔ تو بظاہر مہابت کی ناپاک آرزو کے خیر مقدم کے لئے تیار ہو جا مگر دوسری عورت کو اس کی بہیمیت کا شکار بنا دے ---- نہیں تو ابھی نہیں سمجھی۔ مہابت کی بیوی جس کو وہ سنگدل جفا ہو کر دمشق چھوڑ آیا تھا پھر یہاں آگئی ہے۔ دو سال تک جانگسل مصیبتوں کا سامنا کر کے بھی اس بندی نے اس ظالم کا اپنے دل سے خیال نہ نکالا۔ ہر وقت اس سے خواستگار عفو تقصیر ہے۔ مگر بیوفا مہابت سے ملنے کی جرات نہیں ہوتی۔ رات دن اسی فکر میں مبتلا رہتی ہے کہ کسطرح اس کے حضور میں پہنچکر اپنی اگلی مہر و وفا کا واسطہ دے اب خدا نے اس کی یہ تمنا بار آور ہونے کا موقع پیدا کر دیا ہے۔ تو جاکر مہابت سے وعدہ کر آ کہ آدھی رات کو اصطبل کے قریب اپنے بھائی کی جان بچانے کے لئے اس کی پر معصیت تمنا کا خیر مقدم کرنے کو تیار ملیگی۔ مگر اپنے بجائے سلمیٰ (مہابت کی بیوی) کو پہنچا دینا۔ میں اس کو جاکر ابھی آمادہ کرتا ہوں وہ خدا سے چاہتی ہے کہ کسطرح اس کو دیکھ ہی لے"۔ طاہرہ نے اس تدبیر کو پسند کیا اور مہابت سے اس عظیم الشان و متبرک قربانی کا وعدہ کر آئی جس کی مسرت میں وہ بہت سی اندوہگین راتیں تڑپ تڑپ کر گذار رہا تھا۔ ادھر سعد نے جاکر سلمیٰ سے بزرگانہ نصیحت کے بعد وعدہ کیا کہ وہ اسکو آج مہابت سے ملا دیگا۔ چنانچہ وہ مصیبت کی ماری بھی اس خوشگوار مہم کے لئے تیار ہو گئی طاہرہ آکر پھر سعد سے ملی اس کی اسنے سلمیٰ سے بھی تقریب کرادی۔

سعد "اچھا تم کیا کر آئیں؟"

طاہرہ "میں نے مہابت سے کہدیا کہ شب بواں یا اس کے محل میں جانے سے تو میری بدنامی کا خوف ہے۔ اصطبل محفوظ مقام ہے اس نے بھی منظور کر لیا"۔

سعد "شاباش تم نے تمام باتیں انجام دیدیں (مہابت کی بیوی سے) تم مہابت سے کوئی بات چیت نکرنا تاریکی میں وہ تم کو پہچان بھی نہ سکے گا مگر سعد کو اب بھی یقین نہ تھا کہ سنگدل مہابت مطلب حل ہو جانے کے بعد بھی غریب جلال کو زندہ چھوڑے گا۔ چنانچہ وہ

پکا ہوا پھر زنداں میں آیا۔ ایک گھنٹہ بعد ہی بے رحم مہابت کا حکم لیکر پیادہ آپہنچا کہ صبح پانچ بجے جلال کا سر دربار میں پہنچا یا جائیگا۔ اُس کو مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ سعد پہلے تو سخت گھبرایا مگر فوراً داروغہ کے پاس دوڑا ہوا پہنچا اور اس کو اپنی زمرد کی انگشتری دیکر آمادہ کیا کہ ایک دوسرے قیدی کا سر جو صبح مرگیا تھا مسخ کر کے مہابت کے دربار میں پہنچا دے اس کے بعد ایک مراسلہ اُسنے اپنے نام سے مہابت کے پاس روانہ کیا جسمیں تحریر کیا کہ موسم کی خرابی کے باعث عزم حج ملتوی کر کے آرہا ہوں۔ تم مع امراء کے استقبال کے لئے شہر پناہ کے دروازہ کے پاس ملو اور وہیں اپنے اختیارات واپس کردو شہر میں یہ اعلان بھی کردیا جائے کہ جو لوگ اپنے بادشاہ سے کچھ عرض و معروض کرنا چاہیں تحریر میں کریں۔ ان کی تمام درخواستیں وہیں سنی جائیں گی۔

علی الصباح طاہرہ اپنے بھائی کی خیریت معلوم کرنے زنداں میں آئی۔ سعد بھی یہاں موجود تھا۔ اس نے بلحاظ مصلحت غریب طاہرہ کے نازک دل پر اس کے بھائی کے قتل کی خبر سنا کر غم کا پہاڑ توڑ دیا۔ زاروقطار رونے لگی جب دل کا بخار ذرا کم ہوا تو سعد نے ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا "آج ہمارا بادشاہ آنے والا ہے تم ظالم مہابت کی وعدہ شکنی اور تمام بیہودہ حرکات کی فریاد اس کے سامنے لیجانا" قدرے سکون پذیر ہوکر شکستہ دل طاہرہ بدعہد مہابت سے انتقام لینے کے لئے آمادہ ہوگئی۔ اس کے پاس رخصت ہوکر سعد نے مہابت کی بیوی سے چند ہدایتیں کیں اور مناسب کارروائی اس کے ذہن نشین کرادی۔

ذرا دن چڑھنے پر شاہ اپنی شاہانہ تمکنت سے شہر میں داخل ہوا۔ اور جان نثار رعایا کے سلام و آداب کا پُرمحبت قبولیت سے جواب دیتا ہوا مہابت سے ملا جو بے ریا شان استغنا سے شاہی اختیارات اپنے آقا کے سپرد کر کے دیگر ارکین کی صف میں جا کھڑا ہوا۔ دفعتہً دعاگو رعایا کے مجمع کے اندر ایک ہلچل سی مچی اور تمام لوگ ایک سروقد برقع پوش عورت کی جانب متوجہ ہوگئے جو تیزی سے ہجوم کو چیرتی پھاڑتی شاہ کے حضور میں زبانی فریاد لیکر جا کھڑی ہوئی۔ اس کی موسیقی آواز جوش کے عالم میں نکلنے سے اور موثر ہوگئی بے اختیار بولی "فریاد رس اے سلطان! میں جلال زرمی کی بہن ہوں جو ایک خاتون کے اغوا کی پاداش میں مہابت کے بے رحم قانون سزائے موت کا شکار ہوگیا۔ مینے اپنے عزیز بھائی کی جان بخشی کے لئے وہ تمام مسترحم درخواستیں اور عاجزانہ کوششیں صرف کردیں جن کی توقع ایک بہن سے ہی ہوسکتی ہے مگر کوئی نتیجہ نہ ہوا.......... اب میں مہابت کی ایک حیا سوز شرمناک حرکت ظاہر کرتی ہوں۔ ہر سختی پسند و بیرحم شخص کی عادت ہوتی ہے کہ وہ متواتر التجا و عاجزی سے اور بھی بدمزاج و سخت دل ہوجاتا ہے۔ اس کو صرف نفسانی خواہشات ایسے موقع پر مغلوب کرسکتے ہیں۔ ایک وہی کیا اس شیطانی قوت سے ہر شخص مغلوب ہوجاتا ہے چنانچہ یہ تیرا نائب عدل و انصاف اور زہد و اتقا میں مشہور ہے مجھ سے مُصر ہوا کہ میں اس کی ناپاک خواہشوں کی شکار بن جاؤں اور اس کے عوض اپنے بھائی کی جان بچاؤں خون کا تعلق میرے عزِ نسوانی پر غالب آگیا اور میں ـــ مگر صبح اس نے بدعہدی کی اور میرے بھائی کا سر قلم کرادیا ـــ" سعد نے اس کی دردبھری داستان پر بظاہر یقین نہ کرتے ہوئے مہابت کی جانب دیکھا جو سر نیاز جھکا کر بولا۔ اس غریب کا دماغ جلال کے صدمۂ مرگ نے مختل کر دیا ہے کوئی بھی اس کی بات ٹھکانہ کی ہے؟ وہ ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ مہابت کی بیوی سلمٰی آگے بڑھی اور شاہ کے حضور میں لب کشائی کی "عالی وقار بادشاہ! طاہرہ کا بیان سراسر غلط ہے

میں تہابت کی بیوی ہوں اور شب کو اُس کی ملاقات کے لئے اصطبل میں بھی میں ہی گئی تھی وہ ہرگز نہیں گئی تھی اگر میرا بیان ذرا بھی غلط ہو تو مجھے سنگسار کردیا جائے "

طاہرہ اپنے بیان کی صداقت کے ثبوت میں اس بزرگ صورت گڈریہ کو پیش کرنا چاہتی تھی (طاہرہ کا بیان بالکل سعد کی ہدایت کے موافق تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیگناہی عوام میں صاف طور پر ثابت ہوجائے) تہابت ان دونوں عورتوں کے اختلاف بیان کے راز سے ناواقف تھا۔ چنانچہ اس نے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ایک معصومانہ ناراضگی کے ساتھ بولا "اب تک ان عورتوں کی ہرزہ سرائی کو میں قابل التفات نہ سمجھتا تھا۔ مگر جبکہ میرا وقار مجروح کیا جانے لگا تو مجھے بھی بولنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں کسی اور مفسد کی آلہ کار بنی ہوئی ہیں "

سعد۔ مگر یہ کیا ایک رہی ہیں مجھے سمجھاؤ تو سہی تاکہ میں ان کو تمہاری تجویز کردہ سزا دے سکوں (اپنے وزیر سے) آپ بھی اس مرافعہ میں تہابت کی مدد کیجئے میں غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر ابھی آتا ہوں۔ طاہرہ کا گواہ طلب کیا گیا ہے آتا ہی ہوگا " تہابت کو اطمینان ہوا کہ اس کو خود کو اپنے مقدمہ کا حکم بنا دیا گیا۔ شاہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر گڈریہ کے بوسیدہ لباس میں عدالت کے اندر آگیا وزیر اعظم نے اس کی جانب بنگاہِ عتاب دیکھکر دریافت کیا "کیا تم نے ان دونوں عورتوں کو ورغلا کر نائب السلطنت تہابت کے خلاف ان سے کوئی استغاثہ دائر کرایا ہے ؟

سعد۔ ہمارا بادشاہ کہاں ہے ؟ میں صرف اس سے بات کرنی چاہتا ہوں "

وزیر۔ وہ بھی ہیں رونق افروز ہونے والے ہیں تم اپنا بیان تو قلمبند کراؤ "

سعد " بہت مبارک " اس کے بعد سعد نے بادشاہ کی شان میں بہت سے گستاخانہ کلمات کہے کہ وہ معصوم طاہرہ کی مرافعت میں خود کیوں نہ موجود رہا۔ اُسی شخص کے ہاتھ میں فیصلہ کیوں دیا گیا جو ملزم ہے۔ پھر تہابت کی بہت سی بے اعتدالیاں کیں وزیر اعظم اس کے گستاخانہ بیان سے سخت غصہ ہوا اور اس کو جیل میں لیجانے کا حکم دیا سپاہی گڈریہ کی طرف لپکے مگر وہ کمال بے پرواہی کھڑا رہا۔ نہایت اطمینان سے اپنے بوسیدہ جبے کو اتار کر ایک طرف ڈالدیا۔ محو حیرت حاضرین بالخصوص تہابت کے استعجاب خوف کی اضافہ کرنے کو شاہانہ لباس میں خود ان کا بادشاہ موجود تھا۔

سعد۔ (خسروانہ التفات سے) طاہرہ! ادھر آؤ وہ تمہارا اصلی کارگذار گڈریہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ تم متعجب کیوں ہو میں اس وقت بھی راعی تھا اور اب بھی ہوں۔ مایوس نہ ہو اب بھی تمہارے کام آنے کو تیار ہوں "

طاہرہ۔ (لصد معذرت) سکندر سطوت بادشاہ معاف کر! آہ مجھ جیسی تیری ادنیٰ کنیز نے اپنے آقا کو اس قدر زحمت دی اور اس کے ساتھ مودبانہ طرزِ عمل رکھنے میں قاصر رہی " سعد مسکرا رہا تھا وہ حسین طاہرہ کے پاک ضمیر کو تھوڑا سا اور آزمانا چاہتا تھا اس لئے ابھی ظاہر نہیں کیا کہ جلال زندہ ہے۔ تہابت پر ایک ناگفتہ بہ عالم طاری تھا۔ یہ خیال آتے ہی کہ اُس کے تمام جرائم پر سعد کی نظر رہی ہے کانپ اُٹھا اور شکستہ آواز میں بولا اف صاحب اقتدار سلطان! میری تمام بداعمالیوں پر تو نے خدائی فرشتہ کی طرح نظر

رکھی ہے۔ میں فرط ندامت سے تجھ سے آنکھ نہیں ملا سکتا۔ اب خدا کے واسطے میری موت کا جلد حکم فرما یہ آرزو ——"

سعد۔ (تیز آواز میں) مہابت! تو موت سے بھی سخت تر سزا کا مستحق ہے اچھا اس کو یہاں سے ہٹاؤ اور اسی خون آشام تبر سے اس کا سر تن سے جدا کر دو جس سے اس نے بیکس جلال کو قتل کرایا ہے۔ اور اس کی بیوہ سلمیٰ کو اس کی تمام دولت و جائداد بخشدی جائے۔"

سلمیٰ۔ (شاہ کے آگے دامن پھیلا کر) رحمدل آقا! میں تجھ سے کوئی دولت طلب نہیں کرتی۔ صرف میرے شوہر کی جان بخشدے۔" اس کے بعد جسطرح طاہرہ نے اپنے بھائی کی جان بخشی کے لئے مہابت سے درخواست کی تھی اسیطرح سلمیٰ ایک ناسپاس شوہر اور چند گھنٹے پیشتر کے صاحب اقتدار فرمانروا کی جان بخشی کے لئے سعد کے سامنے زار و قطار رو رہی تھی۔ عورت کو بھائی کی محبت زیادہ ہوتی ہے یا شوہر کی؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کیونکہ دو مختلف شخصوں سے اس موضوع پر اپیل کی گئی تھی۔

سلمیٰ (عاجزی سے) "رحم کر اے رعایا کے محافظ! خدا کیواسطے رحم کر! —— (طاہرہ سے) پیاری طاہرہ تم بھی میری وکالت کرو۔ میری تضرع کی شریک ہو۔ میری بقیہ زندگی کی غمگین ساعتیں اگر تم اس سفارش کے صلہ میں طلب کروگی تو میں دینے میں دریغ نہ کرونگی خدا کے لئے کسی طرح میرے شوہر کو بچالو۔"

سعد۔ "نہیں سلمیٰ! طاہرہ کو اپنی آہ و زاری کی شریک بننے کی ترغیب نہ دو۔ اس کے بھائی کی روح اپنے بعد اب کسی کے لئے اس کی آہ و زاری کی ضرورت نہیں سمجھتی۔" مگر سلمیٰ پھر بمنت طاہرہ سے مخاطب ہوئی "اچھی طاہرہ! تم سفارش میں خواہ لب کشائی نکرو لیکن میرے ساتھ شاہ کے قدموں میں تم بھی گر جاؤ۔ میں سب کچھ کہونگی تم چپ چاپ رہنا۔

سعد۔ نہیں سلمیٰ اس کو مجبور نہ کرو۔"

سلمیٰ۔ سلطان! مہابت آخر انسان ہی تو ہے۔ فطرت کی غیر ارادی پستی بعض وقت انسان سے بہت سی سفیہانہ حرکات سرزد کرا دیتی ہے میں اچھی طرح آگاہ ہوں کہ مہابت کی فطرت اس قدر پست نہیں ہے جس قدر ایک غیر متوقع عروج نے اسکو کر دیا تھا جب وہ اپنے اصلی مدارج پر فائز ہو جائیگا تو پھر وہی محبت پرست شوہر اور وفا شعار و خیر خواہ رکن سلطنت ثابت ہوگا ——"

سعد۔ سلمیٰ تیرا فلسفہ نرالا ہے۔ تیرے خیال میں یہ میرے بخشے ہوئے اختیارات تھے جنھوں نے اس کی فطرت کو پست کر ڈالا۔ میں اور کچھ نہیں جانتا اسکو بہر صورت جلال رزمی کی بدنصیبی کا شریک ہونا پڑے گا۔ لیکن اسکی طاہرہ —— ہاں طاہرہ سعد کے پاک دل پر قابض ہو چکی تھی آگے بڑھی اور گرمجوشی کے ساتھ کہنے لگی میرے آقا یہ خیال فرمائے کہ مہابت جلال رزمی ہے اور طاہرہ اس کی جان بخشی کی استدعا لیکر تیرے حضور میں گڑگڑا رہی ہے۔ چونکہ تو میری پُر درد درخواست سے اس کی جان بخشی کر سکتا تھا (خدا جانے اس کو یہ یقین کیوں ہو گیا تھا) اس لئے مہابت کی جان بھی بخشدی۔ میرے بھائی کا جرم مہابت کے قانون کی رو سے فی الحقیقت سزا ر موت کے قابل تھا۔ مگر مہابت کا جرم "بھول" تیرے آئین رحمدلی میں قابل عفو ہونا چاہئے۔" سعد نے چپکے سے جلال کو بھی بلا بھیجا تھا۔ اپنے بھائی کو زندہ سلامت دیکھکر طاہرہ فرط مسرت سے اس سے لپٹ گئی۔

سعد نے طاہرہ سے محبت بھرے الفاظ میں کہا "پیاری طاہرہ! میں تیری ناز آفرینی کی خاطر مہابت کی خطا معاف کرتا ہوں عصمت مآب نازنین تو میرے دل کی ملکہ ہے (مہابت سے) تم کو اپنی وفا پرست بیوی کے قربان جانا چاہئے جس کی محبت کی سفارش نے تمھاری جان بچا دی۔"

اس کے بعد شمیمہ کی شادی جلال سے ہو گئی اور طاہرہ جیسی عفیفہ دوشیزہ سے سعد نے عقد کیا۔ پھر شیراز کا ہر شخص قانون کی قدرت محبت کی اپیل اور بادشاہ کے عدل و انصاف کے حقیقی معنے سے واقف ہو گیا۔

(قیسی رام پوری)

(شیکسپیر)

شمالی ہند اور دکن

عہد شاہجہاں

ہم پہلے یہ دکھا چکے ہیں[51] کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر فتوحات جہانگیری کو آخری زمانہ میں بڑا نقصان پہونچا اور دکن کا وہ حصہ جو برسوں کی جد و جہد اور جان و مال کے بے انتہا نقصان کے بعد حاصل ہوا[52] تھا وہ قبضہ سے نکل چکا تھا۔ بلاشبہ ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نورجہاں کی خود غرضی اور شہریار کو تخت نشین کرانے کی جد و جہد نے مغلیہ اغراض کو دکن کے معاملات میں بیحد نقصان پہونچایا، شاہجہان کی بغاوت کے زمانہ میں ملک عنبر جسکو شاہ بلند اقبال نے سنہ ۱۶۲۲ء میں بیحد تنگ کرکے صلح کرنے اور قدیم مقبوضات کے واپس کرنے پر مجبور کیا تھا دوبارہ قوی ہوگیا خاندان شاہی کے دو فریقین کے درمیان نزاع پیدا ہو جانیکی وجہ سے اسکو اپنے ذاتی مفاد کے حصول، سلطنت کی توسیع، اور گئے ہوئے علاقہ کے حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی، وہ ایسا شخص تھا جسنے اس زرین موقعہ سے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی، اس نے اپنے پرانے رقیب اور قوی دشمن یعنی شاہجہان کی رفاقت قبول کی، اور اس کو اپنا ہمخیال بناکر مغلیہ سلطنت کے خلاف جنگی کارروائی شروع کردی، قلعہ شولاپور فتح کرلینے کے بعد اس نے شاہجہاں کی امداد سے برہان پور (مغلیہ پایۂ تخت دکن) کا محاصرہ کرلیا، گویا کہ سنہ ۱۶۲۶ء کے اختتام تک ملک عنبر دوبارہ شاہی مقبوضات کے بڑے حصہ پر قابض ہوگیا، لیکن ملک عنبر کی وفات کے بعد نظام شاہی مملکت میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اُس کی اہم تجاویز کو کامیاب بنا سکے اور اس کے عظیم الشان کام کو انجام دے سکے، اگرچہ ملک عنبر کے لڑکے فتح خان نے باپ کی جگہ لی، تاہم وہ اپنی نااہلی کی وجہ سے برہان نظام شاہ کو جو عرصہ سے مقید تھا اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکا، یاقوت خان سپہ سالار فتح خان کا مخالف تھا یاقوت خاں اور فتح خاں معاملہ کی یکسوئی کے لئے سلطنت مغلیہ کی پناہ میں آنیوالے ہی تھے کہ اسی عرصہ میں حمید خاں کو برہان نظام شاہ نے سپہ سالار مقرر کیا، اور اس نے برہان نظام شاہ کے کان فتح خاں کے خلاف خوب بھرے اور اس کو ایک قلعہ میں قید کردیا، جس کی وجہ سے عنبری سرداروں کو خطرہ پیدا ہوا، اور جب انھوں نے مملکت کی حالت اس قدر نازک دیکھی تو بھاگ کر مغلوں کی پناہ میں جانے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ چنگیز خان، جمشید خان اور آتش خاں جیسے بہادر عنبری سرداروں نے مغلیہ حکومت کی ملازمت قبول کرلی، لیکن باوجود اس کے حمید خان سپہ سالار افواج نظام شاہیہ نے نہایت جرأت سے کام لیا اور سلطنت مغلیہ سے اعلان جنگ کردیا، اور مہابت خان و نورجہاں کی مخالفت سے فائدہ اٹھاکر ملک خاندیس و برار کی تاخت کے لئے ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ خانجہاں لودھی بھی مغلیہ فوج کے ساتھ ان کا مقابل ہوا، مگر حمید خان کی بیوی نے ایسا کھیل کھیلا اور ایسی داد شجاعت دی کہ "بازار رزم و فوجکشی به بزم دیکجہتی تبدیل یافت"[53]۔ اور خانجہان نے بالاگھاٹ کا تمام علاقہ پانچ لاکھ ہون کے عوض نظام شاہیوں کے ہاتھ فروخت کرڈالا، اس وقت سوائے قلعہ احمدنگر کے بقیہ تمام ملک مغلوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔

---

[51] رسالہ "نگار" بابت فروری سنہ ۱۹۲۶ء [52] بساتین السلاطین صفحہ ۲۸۶ [53] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۳۸۴

الغرض دکن کی یہ حالت تھی جب کہ شاہجہان صاحبقران ثانی تخت نشین ہوا، شاہجہان دکنی معاملات سے بخوبی واقف تھا، اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں دو مرتبہ دکن پر فوجکشی کر چکا تھا، وہ اپنے زمانہ کا بہترین سپہ سالار اور جنگجو سپاہی تھا، علاوہ بریں تخت نشینی کے بعد اس نے سلطنت کے اندرونی انتظام کی طرف توجہ کی اور جب ان امور سے فارغ ہوگیا، جب سلطنت مغلیہ میں چاروں طرف امن دامان قائم ہوا اور سلطنت بہار کے پرجوش اور سرور انگیز منزل کو پہونچگئی تو اس نے اسی قدیم طرز عمل کا اعادہ کیا یعنی دکن کی طرف توجہ کی، اور دکن میں سخت گیر (vigorous) طرز عمل کا آغاز کیا، نظام شاہ اور شاہجہاں کے تعلقات بالاگھاٹ کے علاقہ کی وجہ سے نازک ہوگئے تھے، شاہجہان نے نظام شاہ کے نام فرمان بھیجا، چنانچہ نظام شاہ نے بالاگھاٹ کا علاقہ سنہ ج میں واپس کردیا، لیکن ساتھ ہی روپیہ اور فوج سے ساہو کی مدد کی تاکہ وہ ”در زمین خاندیس شورش برانگیختہ سپاہ .... را مذبذب الحال و متردد الحال گرداند“[1] علاوہ ازیں اسی زمانہ میں خانجہاں لودھی نے علم بغاوت بلند کیا اور نظام شاہ کے پاس جاکر پناہ لی نظام شاہ نے ”برائے مقابلہ فوج بادشاہی“ ایک زبردست فوج بھیجی، ایک باغی کو، راندۂ درگاہ شاہجہانی کو پناہ دینا ایسا جرم تھا کہ شاہجہان اس کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ شاہجہان بذات خود دکن کی طرف روانہ ہوا اور اعلان جنگ کرکے تین طرف فوجیں روانہ کیں،

خانجہان لودھی اور نظام شاہ کا اتحاد مصلحت سے خالی نہ تھا، برہان نظام شاہ کا مقصد یہ تھا کہ خانجہان کی امداد کرکے نہ صرف اپنے مقبوضات حاصل کرے بلکہ اس منحوس دن کی نوبت ہی نہ آنے دے جس کا خطرہ اس کو لگا ہوا تھا اور جس کی ابتدا اکبر اعظم کے زمانہ سے ہوئی تھی، لیکن جب خانجہان کو برہان نظام شاہ کی اس ”غرض آلود دوستی“ کا پتہ چلا تو وہ شمال کی طرف روانہ ہوگیا، اور شاہنشاہی افواج نے پوری قوت کے ساتھ علاقہ نظام شاہی پر حملہ شروع کردیا، اور سب سے پہلے قلعہ دھارور کا محاصرہ کیا،

قبل اس کے کہ مزید حالات بیان کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دکھنی سلطنتوں کی حالت اور اُن کے طرز عمل کا تذکرہ کردیا جائے اس لئے کہ اب مغلیہ سلطنت کو نظام شاہی سلطنت کے علاوہ بیجاپوری اور گولکنڈہ کی سلطنت سے بھی سابقہ پڑنے والا تھا،

جب سے شمال کی طرف مغلوں کے حملوں کا خوف لاحق ہوا اس وقت سے حکومت بیجاپور نے اپنا یہ اصول ہی بنالیا تھا کہ اپنے ہمسایہ سلطنت کی اعانت کرے اگرچہ نظام شاہیوں کی ناشکر جماعت نے نیکی کا بدلہ بدی ہی دیا اور جب دیکھو سلطنت عادل شاہی پر چڑھ آتے تھے، لیکن با ایں ہمہ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دل میں ذرا ہراس نہ آیا، وہ بڑا مدبر اور دور اندیش تھا اُس نے مصلحت اور مفاد رسی میں دیکھا کہ احمد نگر جو مملکت حاجب (Buffer State) ہے اس کی دولت و ثروت قائم رہے اس کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ اکیلا مغلیہ طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتا، بس اس کی ضرورت تھی کہ شاہجہاں کو نظام شاہ کے ساتھ ہی برسرپیکار رہنے دیا جائے، سلطان ابراہیم بخوبی جانتا تھا کہ نظام شاہی ملک کی تسخیر کے بعد مغلیہ افواج اس کے ملک کی طرف پیشقدمی کریں گی، اور اس کا وجود معرض خطرہ میں پڑجائیگا، چنانچہ اس کی پالیسی یہ تھی کہ نظام شاہی سلطنت کی امداد کی جائے، سلطنت گولکنڈہ مقابلتہً کمزور تھی، اور مزید براں بیجاپور اور گولکنڈہ کے درمیان جنوبی سرحد کے جھگڑوں اور بے تیاپگیوں کی وجہ سے ناموافقت تھی، جس کا

[1] بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۲۵۱

نتیجہ یہ نکلا کہ گولکنڈہ کی سلطنت نے ادنیٰ سے دباؤ پر مغلوں کی اطاعت قبول کر لی، یہ وقت تو ایسا تھا کہ دکن کی یہ تینوں سلطنتیں متحد ہو کر مشترک دشمن کا مقابلہ کرتیں اس لئے کہ احمد نگر کا وجود ان کو خطرۂ عظیم سے محفوظ رکھتا تھا۔ اس نکتہ کو سلطان ابراہیم نے بخوبی سمجھ لیا تھا چنانچہ نظام شاہیوں کی احسان فراموشی کے باوجود احمد نگر کی امداد کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ بعد کی تاریخ اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ جب احمد نگر کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی اور اس کا بڑا حصہ مغلیہ سلطنت میں داخل ہوا اسیوقت دکن کی دیگر سلطنتوں کو مغلیہ سلطنت سے براہ راست مقابلہ کرنا پڑا۔ بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتیں مغلیہ عملداری میں داخل ہو گئیں

ملک عنبر نے باوجود سلطان ابراہیم کی رفاقت کی اس کے خلاف فوجکشی کی، اور سنہ ۱۰۳۳ ہجری میں بیجاپوری لشکر کو بمقام بھتوری شکست دیکر بیجاپوری علاقہ کو لوٹ مار کر کے ویران کر دیا۔ اور سنہ ۱۰۳۴ ہجری میں شہر نورسپور کی جسے سلطان نے نہایت درجہ شوق اور دلچسپی سے بنایا تھا اینٹ سے اینٹ بجادی[۵۱]۔ بیجاپور میں امرا کے دو فریق تھے ایک مغلوں کا ساتھ دیکر نظام شاہیوں کی بیخکنی کرنا چاہتا تھا، اور دوسرا نظام شاہی سلطنت کو بطور مملکت حاجب کے برقرار رکھنا چاہتا تھا، کہ مغل اسی سلطنت سے مصروف جنگ وپیکار رہیں اور بیجاپوری حکومت در پردہ اس کی اعانت کر کے مغلوں کی طرف سے محفوظ رہے مصطفےٰ خاں دربار بیجاپور کا ایک جلیل القدر رکن چاہتا تھا کہ نظام شاہیوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے، اور نورسپور جیسے نے بنائے شہر کو برباد کرنے کا بدلہ لئے اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ مغلوں کا ساتھ دیکر نظام شاہیوں کی بیخکنی کی جائے، شاہجہاں نے سنہ ۱۰۳۸ ہجری میں شیخ معین الدین کو بیجاپور اور شیخ محی الدین کو گولکنڈہ برہان پور سے روانہ کیا، شیخ معین الدین تہنیت نامہ جلوس لیکر پہونچا، اس کو نہ صرف بطور ایلچی مبارکباد کے لئے بھیجا گیا تھا بلکہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ عادل شاہی حکومت سے نظام شاہ کے خلاف معاہدہ کرے، اور اس بات کا عہد کرے کہ نظام شاہیوں کا قلع قمع کرنے کے بعد آدھا ملک عادل شاہیوں کو دیدیا جائے گا۔ جب یہ سوال سلطان محمد عادل شاہ کے ارکین دولت کے روبرو پیش ہوا تو ان کے دو فریق نے اس مسئلہ پر دو طرح پر روشنی ڈالی، مصطفےٰ خاں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اس نے یہی بہتر خیال کیا کہ شاہجہان سے ملکر نظام شاہی علاقہ کو نیست و نابود کر ڈالا جائے اور نصف ملک حاصل کیا جائے۔ فریق ثانی کا سربرآوردہ سردار خواص خان تھا جو یہ کہتا تھا کہ شاہجہاں زبردست بادشاہ ہے، نظام شاہی حکومت، ہماری اور اس کی حکومت کے درمیان واقع ہے، لہذا ہمکو اپنے مصالح ملکی کے لحاظ سے اس خاندان کی پرداخت اور تقویت کی کوشش کرنا چاہئے، اگر یہ علاقہ جو حد فاصل ہے نہ رہا تو براہ راست مغلوں سے سابقہ پڑے گا، اور اس وقت مخالفت کا تدارک سخت دشوار ہوگا[۵۲]، بالآخر مصطفےٰ خاں نے کوشش کر کے خواص خان کو اپنا طرفدار بنایا، اور یہ طے پایا کہ رندولہ خان (سپہ سالار افواج عادل شاہی) کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج مغلوں کی امداد کے لئے بھیجی جائے، مختصر یہ کہ نظام شاہی سلطنت کی نصفا نصف تقسیم کے متعلق عادل شاہیوں کو مغلوں کے درمیان عہد و پیمان واثق و مکمل ہوا، اور سلطان محمد نے ایلچی کو خلعت وغیرہ دیکر رخصت کیا، لیکن ایلچی کے

---

[۵۱] بساتین السلاطین صفحہ ۲۹۰ و ۲۹۱، [۵۲] بساتین السلاطین صفحہ ۲۹۲

روانہ ہونے کے چند ہی دن بعد یہ خبر ملی کہ مغلوں نے عہد شکنی کی ہے، اور ان کی فوج چڑھتی چلی آرہی ہے تو سلطان محمد عادل شاہ نے فوراً شیخ معین الدین کو راستہ سے پکڑوا منگا کر قید کر دیا۔[۱]

مغلیہ فوج دکن میں نظام شاہی تسخیر کے لئے مقیم تھی اور شاہجہان خود برہان پور میں ٹھیرا ہوا تھا، نظام شاہ کے خلاف ایسی جارحانہ کارروائیوں کا آغاز ہوا کہ رفتہ رفتہ اس جنگ نے مہلک صورت اختیار کی اور بالآخر ایک قدیم اسلامی سلطنت مغلوں کے زبردست حملوں کی تاب نہ لا کر تباہ و برباد ہو گئی، اب ان حملوں کی نوعیت اور جنگی کارروائیوں کے سمجھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ علاقہ احمد نگر کی جغرافی حالت پر غور کیا جائے جس سے فوجی نقل و حرکت اور اس علاقہ کے قلعہ جات کے اثرات کا بخوبی اندازہ ہو سکے،

یہ حصہ دکن زیادہ تر پہاڑیوں پر مشتمل ہے جنکی بلند اور دشوار گذار چوٹیوں پر قلعے بنے ہوئے ہیں، ان قلعوں پر مختلف محال اور پرگنوں کا انحصار ہے اور فوجی نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے، کل سلطنت احمد نگر کی حفاظت انھیں قلعوں کے ذریعہ ہوتی ہے، ان میں سے نہایت اہم قلعہ دولت آباد، قلعہ قندھار، قلعہ دھارور اور قلعہ پرینڈہ ہیں، یہ قلعہ نہ صرف دشمن کے محاصرہ کرنے کے وقت جائے پناہ کا کام دیتے ہیں بلکہ تمام علاقہ کی حفاظت کرتے ہیں، یہیں سے تازہ دم امداد وقت ضرورت نہایت آسانی کے ساتھ روانہ کیجاتی ہے، ان قلعوں کا فتح ہونا گویا تمام سلطنت پر قبضہ کا حاصل ہونا ہے۔

رندولہ خان اگرچہ مصطفےٰ خاں کے حکم سے بھیجا گیا تھا، تاکہ مغلیہ فوج کی امداد کرے مگر اس نے خواص خان اور دیگر امرا کے اشارہ سے مغلوں کی کوئی مدد نہ کی، جب اعظم خان نے قلعہ دھارور فتح کر لیا تو رندولہ خان نے اس کے ہاں پیام بھیجا کہ سلطان محمد عادل شاہ، شاہجہاں کا سچا بہی خواہ ہے اور اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ سے ملکر نظام شاہ کی گوشمالی کروں، لہٰذا حسب صلحنامہ فتح شدہ قلعہ دھارور ہمارے حوالہ کر دیا جائے، لیکن اعظم خان بخوبی جانتا تھا کہ "ارباب نظام در مقام موافقت است"[۲] اور انکی اس پالیسی کو بھی خوب سمجھتا تھا کہ "عادل شاہیہ در باطن نمی خواستند کہ استیصال نظام الملک بالکل شود"[۳]، لیکن مصلحت وقت دیکھکر جواب دیا کہ "بادشاہ کا یہ حکم ہوا تھا کہ عادل شاہ خود سعی و تردد کر کے قلعہ جات مذکورہ پر متصرف ہو جائے اور نظام شاہی ملک کی تہذیب اور تفریق جمعیت میں لشکر شاہی کی مدد کرے لیکن تم نے اس وقت مدد نہ کی اور اب قلعہ دھارور کی خواہش کرتے ہو جو بالکل بیجا ہے، اگر اب بھی تم ہمارا ساتھ دیتے ہوئے قلعہ قندھار کی تسخیر میں مدد دیکر تلافی گذشتہ کرو اور جا کر گھاٹ کا راستہ روکو تو ہم شاہجہاں کے پاس سفارش کریں گے"[۴] اعظم خاں خود نصیری خان کی مدد کے لئے روانہ ہوا جو قلعہ قندھار کا محاصرہ کئے پڑا تھا، لیکن بعد کو افواج نظام شاہی کا تعاقب شروع کیا، نظام شاہ کی حالت پر خطر تھی، قلعہ دھارور معہ مضافات مغلوں کے قبضہ میں تھا، قلعہ قندھار کے توابع نصیری خان کے تحت تھے، اور وہ محاصرہ کئے پڑا تھا، کوکش میں ناسک پر خواجہ ابوالحسن سردار مغلیہ قابض تھا، بیضاپور، چیرا اور اس کے نواح ساہو کو بطور جاگیر عطا کر دئے گئے تھے جو اب نظام شاہ کا مخالف تھا، نظام شاہ کے قبضہ میں قلعہ دولت آباد اور چند محال تھے

---

[۱] بساتین السلاطین صفحہ ۲۹۳، [۲] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۳۴۳ [۳] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۵۱ [۴] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۵۱ اور بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۳۵۳

اب افواج نظام شاہی کے لئے صرف ایک راستہ تھا جس طرف رندولہ خان متعین کیا گیا تھا، لہذا مقرب خان اور بہلول خاں رندولہ خاں کی طرف رجوع ہوئے اور اس کو موقع کی نزاکت جتا کر اتحاد و موافقت کی درخواست کی اور شولاپور جس کی نسبت "نزاع موروثی" تھی معہ توابع رندولہ خاں کے حوالہ کرکے مصالحت کرلی[1]، جب اعظم خان کو پے در پے اس قسم کی خبریں ملیں تو اس نے شاہجہان سے کمک کی درخواست کی اور مجبوراً خود پرینڈہ کے محاصرہ کے لئے روانہ ہوا، جب عادل شاہ اور نظام شاہ متحد ہوگئے تو ان کے اتحاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ مغلوں کو سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، اعظم خان نے قلعہ قندہار کی نازک حالت سنکر نصیری خاں کی امداد کے لئے پرینڈہ کا محاصرہ چھوڑ کر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دھارور میں جاکر دم لیا، اسی دوران میں دکن میں عظیم الشان قحط پڑا جسکی وجہ سے رسد، چارہ، اور گھاس کی دستیابی محال ہوگئی،

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ نصیری خان قلعہ قندھار کا محاصرہ کئے پڑا تھا، مقرب خان سپہ سالار افواج نظام شاہی اور رندولہ خان نے نصیری خان پر حملہ کیا، لیکن اعظم خان موقعہ پر مدد کو پہونچا، اور ان کو شکست ہوئی اور قلعہ مذکور مفتوح ہوگیا، جس کا فوری اثر دربار نظام شاہی میں انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوا، فتح خان کو پھر عروج ہوا، اس نے بعض مورخین کے بیان کے مطابق مغلوں کے اشارہ پر برہان نظام شاہ کو مروا ڈالا، اور حسین نظام شاہ کو تخت پر بٹھایا اور آصف خان کے ذریعہ مغلوں کی اطاعت قبول کرلی، شاہجہان نے فتح خاں کو نظام شاہی سلطنت پر بطور نمائندہ کے مقرر کیا، عبدالحمید لاہوری مصنف بادشاہ نامہ لکھتا ہے کہ شاہجہان نے حکم دیا، کہ فتح خاں، برہان نظام الملک کا خاتمہ کردے جس کی تعمیل کی گئی، لیکن خافی خان اس سے اختلاف کرتا ہوا بیان کرتا ہے کہ اس نے عرضداشت روانہ کرنے کے قبل برہان نظام شاہ اور مخالف جماعت کے بہت سے اراکین مثلاً خواص خان اور شمشیر خاں کا خاتمہ کردیا، اور اکثر کو قید کردیا اور حسین نظام شاہ کو جس کی عمر دس سال کی تھی اس کا جانشین مقرر کیا، بہرحال شاہجہاں نے حسین نظام شاہ کی "یتیمی و مظلومی" کا خیال کرتے ہوئے، تمام ملک نظام شاہیہ بحال کردیا، ادھر سلطان محمد عادل شاہ اکیلا رہ گیا تو شاہجہان نے اُس کے خلاف آصف خان کو نامزد کرکے روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر سلطان محمد عادل شاہ اپنے والد کی طرح لوازم اطاعت و مراسم انقیاد بجالائے اور پیشکش بھیجے تو اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اگر شاہراہ مطاوعت سے تجاوز کرے، تو اس کا اچھا ملک و مال ضبط کرلیا جائے اور باقی کو خراب کر ڈالا جائے[2]۔

چنانچہ آصف خان فوج عظیم کے ساتھ روانہ ہوا، جو قلعے اس کی راہ میں پڑے فتح کرتا ہوا عادل شاہی عملداری کے قصبہ کلانور پہونچا یہاں سے ہوتا ہوا حوالی بیجاپور میں پہونچکر نورسپور اور شاہ پور کے درمیان ڈیرہ ڈالے اور قلعہ بیجاپور کا محاصرہ کیا، لیکن بیجاپوری بھی غافل نہ تھے، جسوقت کہ دھارور کے نہ دینے پر مغلوں سے بیجاپوریوں نے مخالفت کا اظہار کیا تھا اسیوقت سے انھوں نے تیاری شروع کردی تھی اور بیجاپور کا معقول انتظام کرلیا تھا، جس قدر سامان رسد اور سلاح جنگ میسر ہوسکا اس قدر جمع کرلیا، اور بیجاپور سے بیس تیس میل تک گھاس اور چارہ کا نام و نشان نہ چھوڑا، جو کچھ اپنے واسطے مطلوب تھا اسے تو قلعوں میں رکھوالیا، اور باقی

---

[1] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۵۲ [2] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۳۰۴، اور منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۶۲

سب کو آگ لگا کر جلا ڈالا، آصف خان کے پہونچنے کے بعد ہر روز آصف خان کی اور عادل شاہی فوج سے کھیتوں میں لڑائی ہوتی، آصف خان کی فوج کی فتح ہوتی لیکن یہ ایسی لڑائی نہ تھی جس سے عادل شاہیوں کو نقصان اور مغلوں کو فائدہ پہونچتا، اس لڑائی کے دوران میں آصف خان سے صلح کی گفتگو بھی ہوتی رہی لیکن عہدنامہ مرتب نہ ہو سکا۔ مصطفےٰ خان، شاہجہاں سے صلح کرانا چاہتا تھا[1]، لیکن خواص خان کی رائے اُس کے خلاف تھی، اگرچہ مصطفےٰ خان کی رائے بہت اچھی تھی اور ملک و رعایا کے لئے مفید تھی مگر عادل شاہی امرا کے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ مغلوں کی اطاعت سے اُن کی حکومت میں خلل پڑ جائیگا، اس لئے تمام عادل شاہی امرا خواص کے طرفدار تھے۔ اسی بنا پر مغلیہ فوج کے مقابلہ کے لئے تلے ہوئے تھے، چنانچہ مصطفےٰ خان اور خواص خان دونوں سلطنت کے خیر خواہ تھے۔ مصطفےٰ خان اسواسطے ایک صلح سے اور دوسرا لڑائی سے حکومت کو فائدہ پہونچانا چاہتا تھا۔ دراصل یہی اختلاف رائے بڑا سبب تھا جس کی وجہ سے صلحنامہ مرتب نہ ہو سکا، لڑائی برابر جاری رہی، دکھنوں نے لشکر شاہی کو بیحد پریشان کیا، اور رسد کی کمی سے مجبور ہو کر آخرکار آصف خان نے محاصرہ اُٹھا لیا، اور شولاپور کی طرف کوچ کیا، آصف خان کے تعاقب میں بیجاپوری فوج بھی لوٹتی مارتی شولاپور تک برابر پیچھا کر کے واپس آئی[2]، اسی دوران میں سلطان محمد عادل شاہ کو ایک موقعہ اور ہاتھ آیا، ساہو جو نظام شاہی حکومت کا جاگیردار تھا، اور فتح خان نے جس کی جاگیریں چھین لی تھیں، بیجاپور آکر مراری پنڈت اور رندولہ خان کو یہ باور کرا دیا کہ اگر اس کی امداد کی گئی تو وہ قلعہ دولت آباد فتح کر کے عادل شاہوں کے حوالہ کر دیگا[3]، مشترکہ مقصد کی وجہ سے عادل شاہی اور ساہو جی کی فوج متحد ہو کر سنہ ۱۰۴۲ ہجری میں قلعہ دولت آباد پر حملہ آور ہوئی، اس خبر کے سننے کے بعد خان زماں خان بھی تسخیر دولت آباد کے لئے روانہ ہوا، فتح خاں کی اطاعت کیوجہ سے امرائے نظام شاہی کی ایک جماعت اس کے مخالف ہو گئی تھی جب عادل شاہ اور ساہو کی متفقہ فوج نے دولت آباد پر حملہ کیا تو اس نے مہابت خاں سے مدد طلب کی، اسی عرصہ میں رندولہ خان نے فتح خاں سے گفت و شنید کا سلسلہ جاری کیا، اور یہ پیغام بھیجا کہ "افواج مغلیہ کا مقصد یہ ہے کہ دولت نظام الملک کا بالکل استیصال کر دے، دولت آباد[4] کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد بیجاپوری سلطنت پر حملہ کرے، اور چونکہ ان دونوں سلطنتوں کی قسمت ایک دوسرے سے وابستہ ہے لہٰذا ہمارا یہ مقصد ہے کہ خاندان نظام شاہی کو تباہی سے بچائیں" الغرض صلح ہو گئی۔ معرکہ کارزار گرم ہوا تو مزید فوج مراری کی سرکردگی میں سلطان محمد نے بھیجی، لیکن مراری کی ناعاقبت اندیشی سے دکھنیوں کو شکست ہوئی اور دولت آباد مغلوں کے قبضہ میں چلا گیا[5]۔ اس واقعہ کے بعد سلطان محمد اور شاہجہاں کے درمیان ناچاقی اور بڑھ گئی، بیجاپوری ہزیمت خوردہ براہ ناسک و ترنبک فرار ہوئے ساہو نے محبوس نظام شاہ کو آزاد کر کے برائے نام بادشاہ بنا لیا اور نواح دولت آباد میں تاخت و تاراج شروع کر دی[6]

قلعہ دولت آباد کی تسخیر کا یہ اثر ہوا کہ دکن کی لڑائی کا آغاز سنہ ۱۰۳۹ ہجری ہوا تھا، سات سال کے عرصہ میں یعنی سنہ ۱۰۴۶ ہجری میں

[1] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۱۴ و ۴۱۵ [2] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۱۶ و ۴۱۷ [3] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۷۶ [4] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۹۹، [5] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۸۷ [6] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۹۶

مرتضی نظام ثانی کی گرفتاری پر اس کا خاتمہ ہوا اور دکن کی ایک قدیم اسلامی سلطنت جو سنہ ۸۹۱ ہجری میں قائم ہوئی تھی پارہ پارہ ہوگئی ملک میں ایک ادھم مچ گیا، ضلعدار، قلعدار، اور امراے نظام شاہی سے جو جہاں تھا جتنا قابو چل سکا اسیقدر ملک دبا بیٹھا اور نظام شاہی سلطنت میں طوائف الملوکی اور بدامنی پھیل گئی، جب قلعہ دولت آباد کے فتح کی خبر شاہجہاں کو ملی تو اس نے مہابت خاں کو بہت سرفراز کیا اور حسین نظام نے شاہ کو قلعہ گوالیار میں قید کرادیا اور فتح خاں کا قصور معاف کرکے خلعت دیا اور دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا[۱]،

بلاشبہ قلعہ دولت آباد کا مغلوں کے ہاتھ میں چلا جانا ان کے لئے بڑی کامیابی تھی، فوجی نقل وحرکت کے لئے یہ قلعہ بہت مفید ثابت ہوا، جسطرح ہم نے بیان کیا ہے، انھیں قلعوں کے ذریعہ علاقہ احمد نگر کی حفاظت ہوتی تھی، اور ان سب قلعوں میں خصوصاً دولت آباد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی یہ قلعہ استحکام اور مضبوطی میں شہرۂ آفاق تھا، چنانچہ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ "در حصانت ومتانت میان قلاع ہندوستان طاق بود[۲]"- قلعہ دولت آباد کی فتح تاریخ دکن میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے، یہ قلعہ نہایت ہی سنگین اور مستحکم تھا جس کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا اور اس مرتبہ صرف قلعہ نشینوں کے رسد سے محروم رہنے، آذوقہ کے تمام ہوجانے وبا کے پھیلنے اور عین وقت پر مراری کی امداد نہ کرنے کی وجہ سے یہ قلعہ مغلوں کے ہاتھ میں چلا گیا، ورنہ اس کا فتح ہونا بہت مشکل تھا، تاہم اسباب کچھ ہی کیوں نہوں مغلوں کے ہاتھ میں کلید دکن چلی گئی، اب تک دکن میں امن وامان انتظام و اقتدار قائم رکھنے کے لئے مغلوں کے قبضہ میں کوئی ایسا مضبوط قلعہ نہ تھا، جو وقت ضرورت فوجی امداد کے لئے مرکز کا کام دیتا، تاریخ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ اس قلعہ پر قابض ہونے کے بعد مغلیہ فوج کو آئندہ حملوں میں یہ محفوظ مقام ہمیشہ ان کے لئے مرکز کا کام دیتا رہا اور اسی مقام سے ایک سال کے بعد ہی شاہجہاں نے عادل شاہ قطب شاہ کے خلاف فوجیں روانہ کیں۔ اب تک مغلوں کے لئے برہان پور مرکز کا کام دیتا تھا جو میدان جنگ سے دور تھا، اور اس زمانہ میں رسل ورسائل کے طریقے اچھے نہ تھے۔ مرکز کا فاصلہ پر ہونا فوجی نقل وحرکت کے لئے فائدہ مند نہ تھا لیکن دولت آباد کے فتح ہونے پر مغلوں کا عقب محفوظ ہوگیا، اور فوجی امداد کے لئے نہایت آسانی ہوگئی، اور اب ان کے لئے آگے بڑھنے، عادل شاہی اور قطب شاہی حکومت پر حملہ کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، اس قلعہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آئندہ کے لئے نہ صرف شاہجہان کے زمانہ میں بلکہ اورنگ زیب کے عہد میں بھی یہی قلعہ مرکز رہا۔ علاوہ برین سنہ ۱۰۴۵ ہجری میں شاہجہان نے دکن میں جو انتظامی تبدیلیاں کین اسپر غور کرنے سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ الغرض موقعہ خالی پاکر جب ساہو نے محال شاہی پر دست درازی شروع کی تو مہابت خاں نے درخواست کی کہ اگر سامان حرب بھیجا گیا اور شہزادہ متعین ہوگیا تو امید ہے کہ بیجاپور بھی فتح ہوجائیگا، اور ساہو کی گوشمالی بھی ہوگی۔ شاہجہان نے شاہزادہ محمد شجاع کو فوج عظیم کے ساتھ روانہ کیا[۳]،

---

[۱] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۹۱، میکن تاریخ مرہٹہ مصنفہ کنکیڈ اور پاسنیں صفحہ ۱۱۹ پر درج ہے کہ بیس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا، [۲] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۸۳ [۳] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۹۱

خانخاناں مہابت خان، خانزماں، اور خان دوران (نصیری خان) قلعہ پرینڈہ کی طرف رجوع ہوئے، سلطان محمد عادل شاہ نے تین لاکھ ہون دیکر اس قلعہ کو نظام الملکی قلعہ دار سے حاصل کرلیا تھا[1]، قلعہ مذکور کا محاصرہ کیا گیا، لیکن نہ صرف سپاہی خانخانان کے سلوک سے ناراض تھے بلکہ بقول خافی خاں "میاں خانخاناں (مہابت خان) و خاں دوراں (نصیری خان) کہ ہر دو صاحب داعیہ بودند نفاق بمیاں آمدہ بود" اس لئے ناکامی کی صورت دیکھنا پڑا[2]، شاہجہاں نے اس کی اطلاع ملنے پر شہزادہ شجاع کو واپس[3] بلالیا،

شاہجہاں نے دکنی مقبوضات کی ازسرنو تقسیم کی، اور انتظام و سہولت کے خاطر دریائے نربدا کو صوبہ مالوہ کی سرحد قرار دی، حالانکہ اس سے پیشتر صوبہ مالوہ کی کچھ سرکار دریائے نربدا کے اس پار بھی تھے، اور شاہجہاں نے بقیہ تمام مقبوضات کے دو حصے کئے۔ (۱) پائین گھاٹ، جس میں تمام ملک خاندیس اور برار شامل کیا گیا، خان دوراں صوبہ دار مقرر کیا گیا، (۲) بالا گھاٹ جس میں سرکار دولت آباد احمد نگر، پٹن، جنیر، سنگمیر، اور تمام علاقہ تلنگانہ شامل کیا گیا۔ اور خان زماں صوبہ دار مقرر کیا گیا، چونکہ قواعد ملکداری کی رو سے ضروری تھا کہ بادشاہ اپنے ممالک مفتوحہ جدیدہ کا بذات خود معائنہ کرے اس لئے شاہجہاں ممالک مفتوحہ کے انتظام، فتنہ پردازوں کی تنبیہ اور نظام الملک کے بقیہ قلعوں کی تسخیر کے لئے سنہ ۱۰۴۵ ہجری میں دکن کی طرف روانہ ہوا[4]، اور دار الحکومت جھجار سنگھ پہونچا،

اس دوران میں بیجاپور میں کچھ عجیب حالات رونما ہوئے۔ خواص خان اور مصطفےٰ خان کے درمیان مخالفت پیدا ہوئی اور امرا نے مصطفےٰ خان کا ساتھ دیا، اور دو جماعتوں کے درمیان جنگ و جدال کا سلسلہ جاری ہوا، سلطان محمد نے اس قضیہ ناضیہ کا تصفیہ اس طرح کیا کہ سدی ریحان کے ذریعہ خواص خان کو مروا ڈالا[5]، ہم نے بیان کیا ہے کہ مصطفےٰ خاں ابتداہی سے مغلوں سے صلح کرنے کا خواہشمند تھا، اب جبکہ بیجاپور میں اس کو اختیار کل حاصل تھا، اور شاہجہان خود دکن میں موجود تھا اس سلسلہ عہد و پیمان کو جاری کرنے کا بہترین موقع ہاتھ آیا،

شاہجہاں نے تنڈیہ سے عادل شاہ اور قطب الملک کے نام فرمان جاری کئے، مکرمت خان دیوان بیوتات کو فرمان اور دکھنی تلوار بطور ہدیہ دیکر سلطان محمد کے پاس روانہ کیا، اور مکرمت خان کو حکم دیا کہ عادل شاہ سے جاکر بالمشافہ کہدے کہ اگر بادشاہ کی خدمت گذاری سے انحراف کریگا، اور پیشکش ادا نہ کرے گا اور نظام الملک کے جن محال پر متصرف ہوا ہے نہیں چھوڑے گا، اور ساہو و دیگر نظام ملکی اوباشوں کو جن کو اپنے ملک میں جگہ دی ہے، نوکر رکھ چھوڑا ہے ان کے نکالنے میں تساہل کرے گا تو پھر ہم لشکر بھیجیں گے جو اس ملک و مال کو تلف کرے گا۔ اور اس مفسد گروہ کو ان کے اعمال کی سزا دیگا، اور اگر ہمارے ارشاد کے مطابق عمل کرے گا تو پھر ازراہ ترحم قلعہ شولاپور کو جو نظام الملک اور اس کے درمیان مادۂ نزاع رہا ہے اور ملک کوکن سے بندر چیوں اور نظام الملکی دیگر تعلقے جن کا محصول نو لاکھ ہون ہے اس کو بخشدیں گے[6]، قطب الملک کے فرمان میں شاہجہان نے اپنے اقتدار اعلیٰ کا اعادہ کرنے کے بعد یہ اظہار کیا کہ "ہرجا حکم اشرف اقدس ما جاری باشد احکام شریعت غرا و ضوابط ملت بیضا جاری سازیم" اور چونکہ صحابہ کبار کو علیٰ رؤس الاشہاد

---

[1] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۴۹۵، [2] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۰۰، [3] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۰۱، [4] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۰۲، [5] بساتین السلاطین صفحہ ۳۱۲، [6] عبدالحمید لاہوری نے آخری شرط یعنی نو لاکھ ہون کے محاصل عطا کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے خافی خاں نے اسکو لکھا ہے منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۱۴

پڑھا جاتا ہے لہذا اس فعل قبیح کا تدارک کیا جائے، علاوہ ازین با وجود "دعوی مریدی ما می نمودہ باشد" مگر شاہ ایران کا نام خطبہ میں لیا جاتا ہے، بس لازمی ہے کہ بجائے شاہ ایران کے ہمارا نام خطبہ میں لیا جائے، علاوہ پیشکش سابقہ مطابق فرد مسلکہ روانہ کیا جائے[۵۱]، اس موقعہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شاہجہان کو یہ حق نہ تھا کہ وہ قطب الملک کے مذہبی عقاید پر قیود عاید کرے، اور مذہبی آزادی میں دخل دے جو کہ اس کی تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر دلالت کرتا ہے، لیکن غور کرنے سے یہ اعتراض بیجا نظر آتا ہے سب سے پہلے فرمان کے وہ الفاظ قابل لحاظ ہیں جن میں وہ عبداللہ قطب شاہ کو مخاطب کرتا ہے، فرمان میں شاہ گولکنڈہ کو "قطب الملک" کے خطاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ نہ شاہ اور نہ سلطان کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، علاوہ اسکے شاہجہاں کا یہ مطالبہ کہ خطبہ میں ہمارا نام لیا جائے اور پیشکش روانہ کیا جائے، بصراحت اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ شاہجہاں اور شاہ گولکنڈہ کے تعلقات مساوی نہ تھے بلکہ اقتدار اعلیٰ شاہجہاں کو حاصل تھا ان حالات میں مملکت مقتدر اعلیٰ کے مذہبی اعتقاد کو کھلم کھلا پڑا کہنا کوئی منضبط حکومت گوارا نہیں کرسکتی تھی، یہ اصول جس طرح موجودہ زمانہ میں صحیح مانا جاتا ہے بعینہ اسیطرح اس زمانہ میں بھی صحیح و درست تھا۔

شاہجہاں نے دولت آباد پہونچنے کے بعد چاروں طرف فوجیں متعین کردیں، خاندوران کو قندھار و ناندیڑ کی طرف روانہ کیا جہاں بیجاپور اور گولکنڈہ کی سرحد ملتی تھی، اور حکم دیا کہ وہ قلعہ اودگیر و اوسہ کو تسخیر کرے اور اگر عادل شاہ اعلان جنگ قبول کرے تو فوراً ملک بیجاپور میں داخل ہو کر تاخت و تاراج شروع کردے، ساہو کی تنبیہ کے لئے خان زماں روانہ کیا گیا، تاکہ وہ پہلے ساہو کے وطن کو پامال کرے اور بعد ازاں کوکن کی طرف رجوع ہو جسکو غصب کرلیا تھا، تیسری فوج جنیر و ناسک کو فتح کرنے کے لئے شائستہ خان کے تحت روانہ کی گئی، شائستہ خان نے ساہو کا قافیہ تنگ کردیا، جنیر و سنگمیر فتح کرلیا، رعایا کی خاطرداری کی، کاشتکار اور کسانوں کو جو پراگندہ ہوگئے تھے ان کو جمع کرکے زراعت کی طرف راغب کیا، خان زمان نے دوسری طرف سے اس کو کہیں پناہ لینے نہ دی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ساہو ولایت عادل شاہی میں بھاگ گیا، چونکہ حکم شاہی یہ تھا کہ اگر وہ عادل شاہ کی ولایت میں چلا جائے تو تعاقب نہ کیا جائے اس لئے صورت حال کی اطلاع دیکر مزید احکام کا انتظام کرنے لگا[۵۲]۔

اسی دوران میں سلطان محمد عادل شاہ کا رویہ قابل اطمینان نہیں رہا، جب مکرمت خان فرمان لیکر پہونچا تو بظاہر بحد خاطر و مدارات کی مگر باطن میں اعانت نہ کی، خفیہ طور پر قلعہ دار اودگیر و اوسہ را نہانے فرستاد ...... و ساہو سیہ روست حال ساختہ رندولہ خاں گا با جمع بمعاونت او معین گردانیدہ[۵۳]" مکرمت خان نے شاہجہان کو اسکی اطلاع دی، شاہجہان نے یہ خبر پاکر سید خانجہاں کو دس ہزار سوار کے ساتھ روانہ کیا اور تین طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا، خاندوران مغربی سمت سے، خان زمان اندا پور کی طرف سے اور خانجہان شولاپور کی جانب سے حملہ آور ہوئے تاکہ رندولہ خان کو شکست دیکر بیجاپور کو پے درپے تاخت و تاراج سے ویران کرڈالیں، لیکن خفیہ طور پر شاہجہان نے یہ بھی کہدیا تھا کہ اگر عادل شاہ اس دوران میں کچھ ہوش میں آجائے اور اطاعت کرے تو اس کے ملک کو ضرر نہ پہونچائیں[۵۴ ۵۵]۔

---

۵۱ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۳۲، ۵۲ منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۲۲، ۵۳ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۴۰، ۵۴ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۵۱، ۵۵ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۴۱، اور منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۲۳

تینوں متعین کردہ سپہ سالار ولایت بیجاپور میں داخل ہوئے، ادہر سے بہلول خان اندولہ خاں اور عنبر خاں ان تینوں کی مدافعت کے لئے روانہ ہوئے، عساکر عادل شاہی کو قدم قدم پر دقتیں پیش آنے لگیں تو ناچار صلح پر آمادہ ہوئے گو شاہجہاں نے لڑائی چھیڑ دی تھی، لیکن ان مصائب و تکالیف کا لحاظ کرتے ہوئے دل سے یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح صلح ہو جائے تو اچھا ہے تاکہ یہ جھگڑا مٹے، ادہر بیجاپور میں مصطفےٰ خان برسر اقتدار تھا وہ ہمیشہ سے شاہجہان کے ساتھ مصالحت کرنے کا طرفدار تھا۔ اب اس وقت بھی مختار کل تھا اگرچہ رندولہ خاں وغیرہ لڑائی چاہتے تھے اور اسی واسطے اُنھوں نے صلح میں اب تک تساہل کیا تھا۔ مگر جب ان خو، ہشمندان جنگ کو شاہجہانی فوج نے آگھیرا تو ایسی بری آبنی کہ چاروں طرف ملک میں لوٹ مارمچی اور وہ بھی صلح کے لئے بدرجہ اولیٰ تیار ہوئے، آخر کار سنہ ۱۰۴۵ ہجری مصطفےٰ خاں نے میر ابوالحسن اور خانی ابوسعید کو ایلچی بناکر مصالحت کے لئے روانہ کیا، اور آصف خان کی وساطت سے شاہجہان کے سامنے پیش ہونے کے لئے کہا، چنانچہ آصف خان کی معرفت سے پیش ہوئے شاہجہاں نے تینوں سرداروں کو اس دی اور تینوں سمت سے فوج ہٹالی گئی[۱]،

برخلاف عادل شاہ کے قطب الملک نے عبداللطیف سفیر شاہجہاں کی نہایت خاطر کی، فرمان کے تمام شرائط کو پورا کیا، خطبہ میں شاہجہاں کا نام ایزاد کیا، سکہ پر بھی شاہجہاں کا نام مسکوک کرایا، اور پیشکش بھی روانہ کیا،

غرض سنہ ۱۰۴۵ ہجری میں شاہ بیجاپور اور شاہ گولکنڈہ سے صلح ہوگئی، شاہجہاں نے عادل شاہ کے نام فرمان بھیجا، اور اس امر پر خوشی ظاہر کی کہ تم نے طریق بندگی و اطاعت اختیار کی اور در ہر باب آنچہ حکم فرمودیم قبول کردہ نیز از نظام الملک ہم محال و نکو قلعہائے کہ در آن محال واقع است و قلعہ شولاپور و محال متعلقہ آن و قلعہ پرینڈہ و پرگنہ بھالکی، پرگنہ جیت و پرگنہ چاکندرا کہ مجموعہ پنجاہ پرگنہ میشود و قریب بست لاکھ ہون حاصل دارد جان شوکت انتباہ مرحمت فرمودیم" اور حسب ذیل شرائط طے پائے۔

(۱) سررشتہ مریدی و اخلاص کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ (۲) کسی نظام الملکی کو ملازم نہ رکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل شاہی ہو جائے (۳) چونکہ قطب الملک کے ساتھ عہد نامہ ہوا ہے اور وہ بیاد اصلیت ہے لہذا اس کو کوئی ضرر نہ پہونچایا جائے (۴) اگر کوئی مغلیہ سلطنت سے بھاگ کر عادل شاہ کا ملازم ہونا چاہے تو اُس کو نوکر نہ رکھا جائے (۵) ساہو اور ریحان شولاپوری کو بلایا نہ جائے اور نہ کسی قسم کی زبان دیجائے۔ ساہو اگر ملازمت اختیار کرنا چاہے تو یہ شرط لگائی جائے کہ قلعہ ترنبک و جنیر وغیرہ حوالہ شاہی کر دیا جائے اور معہ اہل و عیال کے جہان چاہے چلا جائے۔ اور اگر رجوع نہ ہو تو اس کو ملک میں نہ آنے دیا جائے اور اگر آجائے تو نکال دیا جائے تاکہ زیر کیا جاسکے، اور قلعہ او دیگر وادسہ کی تسخیر میں مدد کیجائے[۲]"

(باقی)

سعیدی بی اے (علیگ)

---

[۱] منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۵۲۰ ، [۲] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۴۷ تا صفحہ ۱۴۲

دورِ انسانیت کا ایک نیا عہد

اور

ارتقاء ذہنی کا محیر العقول مستقبل

انسان پر اس سے قبل جتنے دور گزر چکے ہیں اگر ان سب کا استقصا نہیں ہو سکتا، تو کم از کم یہ تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ قدیم الایام میں جب انسان بنے ہوئے اسے زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا، سبز دور نباتی آیا جب وہ حیوانوں کی طرح درختوں پر رہتا تھا اور صرف نباتات پر زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے ترقی کر کے دورِ حجری میں قدم رکھا اور پتھر کے اوزار بنا کر سامان خورد و نوش و اسباب غائیت مہیا کئے، تیسرا عہد، عہد فلزی تھا جب دھات کی چیزیں اس نے طیار کیں اور یہ عہد اس قدر ترقی کا اہل ثابت ہوا کہ آج آلات و مشینری کی موجودہ دنیا اسی کی ممنون ہے اور انسان کا آج ہوا پر اڑتے پھرنا کہربا کی مدد سے زمین کی طنابیں کھینچ کر زمان و مکان وقت و فاصلہ کا مفہوم بدل دینا اور عیش و نشاط کے اس حقیقی عالم میں زندگی بسر کرنا جو اس سے قبل صرف کہانیوں اور افسانوں ہی میں پایا جاتا تھا، سب اسی کا صدقہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ زمانہ دورِ انسانیت کا آخری عہد ہے، کیا اس کے بعد ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور کیا اسی عہد میں اس کو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانا ہے۔ اگر یہ سوال اب سے کچھ زمانہ قبل کیا جاتا تو اس کا جواب متفقہ طور پر اثبات ہی میں دیا جاتا لیکن اب اس کا جواب نفی میں دیا جائیگا کیونکہ ذہن انسانی نے اب جس عہد کی ابتداکی ہے وہ بالکل جدید عہد ہے اور یقیناً گزشتہ تمام ادوار سے مختلف اور بہت زیادہ عظیم الشان ہے یہ عہد نور اور اسکے شعاعوں کا ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس کا نام عہد شعاعی رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اب روزانہ نئی نئی شعاعوں کا اکتشاف اور ان کی قوتوں کا علم بتا رہا ہے کہ آئندہ زمانہ میں ہماری تہذیب و مدنیت اور صلح و جنگ کا انحصار انھیں پر ہوگا۔ آج بھی ایسی شعاعیں دریافت ہو چکی ہیں جو ہمارے لئے سامان تفریح مہیا کرتی ہیں، ہماری بیماریوں کو دور کرتی ہیں اور ہمیں مار بھی ڈالتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ ان معمولی شعاعوں کو دیکھئے جو روزانہ آفتاب سے حاصل ہوتی ہیں اور جو سرچشمۂ حیات ہیں یقیناً ان کے فوائد و نتائج ایسے نہیں جن کے بتانے کی ضرورت ہو کیونکہ زندگی کا مدار انھیں شعاعوں کو بتایا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر ملیکن جس نے کازمک شعاع (cosmic Ray) دریافت کی ہے کہتا ہے کہ جس وقت آفتاب فنا ہوگا اور یقیناً ایک دن ایسا آئیگا تو مستقبل کا انسان آفتاب کے بجھ جانے سے مطلقاً متاثر نہ ہوگا۔ اور وہ اپنے لئے ایک نیا آفتاب پیدا کر لیگا۔ یعنی انسان اپنی زندگی کے لئے خود مصنوعی شعاع پیدا کر سکیگا اور اس کے جیب میں سیروں شعاع (شعاع کا وزن فی سنٹی میٹر پونڈ کے حساب سے اب بھی ہونے لگا ہے) بھری رہیگی تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لے سکے اور گھر، دفتر، باغ، کھیتیاں وغیرہ سب انھیں خود

خود ساختہ شعاعوں کی بدولت آباد ہونگی۔ اسی معمولی شعاع سے ایک اور شعاع "فوق البنفسجی (Ultra-violet) دریافت ہو چکی ہے جس سے ولایت میں ہر جگہ بچوں کی صحت قایم رکھنے میں کام لیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی قدرت کا عجیب وغریب فیصلہ ہے کہ یہ شعاع جسقدر مفید ہے اسی قدر مضرت رساں بھی ہے یہاں تک کہ اگر زمین کی مرطوب فضا اس کے نقصان کا مقابلہ نہ کرے تو یہ شعاع دنیا کی تمام چیزوں کو جو دھات سے طیار ہوتی ہیں فنا کر دے اور ہمارے جہازوں ریل گاڑیوں اور مشینوں وغیرہ کو تباہ کر کے رکھدے اسی لئے پیشین گوئی کیجا رہی ہے کہ زمانہ مستقبل کی جنگ میں زیادہ تر اسی شعاع سے کام لیا جائیگا۔ یقیناً وہ وقت بھی عجیب وغریب ہوگا جب جنگ کا مفہوم صرف وہ سکون ہوگا جب رات کے وقت یہ شعاع، برقیہ (Search light) کی طرح فضا میں ادہر اُدہر دوڑتی پھرتی ہوگی اور جہازوں کو سمندر کی سطح پر ریزہ ریزہ کر کے تہ نشین کرتی جاتی ہوگی۔ حال ہی میں ایک اور شعاع دریافت ہوئی ہے جس کا نام تحت الاحمری (   ) ہے جس کے ذریعہ سے انسان تاریکی میں دیکھ سکتا ہے، تصویر لے سکتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی اُسے دیکھے اگر اُس کو بھی بحری جنگ کا آلہٴ کار بنایا گیا تو اس کی تباہ کاریاں کم نہ ہونگی اور فضا کی یہ خاموش وغیر مرئی شعاع دیگر آلات حرب سے بے نیاز کر دیگی۔ کازمک شعاع (Cosmic ray) جسکا ذکر کیا گیا، بالکل حال کی دریافت شدہ شعاع ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ قوی الاثر شعاع اس وقت تک دریافت نہیں ہوئی۔ یہ شعاع کرهٔ زمین پر سے کہاں آتی ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ہنوز اسکی تحقیق نہیں ہو سکی، لیکن اسکی قوت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ ۱۹۰ فٹ تک پانی کے اندر نفوذ کر جاتی ہے اس شعاع کے ساتھ بڑے بڑے امکانات و توقعات وابستہ ہیں یعنی یقین کیا جاتا ہے کہ ہم اس شعاع کی مدد سے کرهٔ زمین کی دوسری سمت مخالف کو بھی دیکھ سکیں گے۔ یعنی اس میں قوت نافذہ اس قدر زبردست ہے کہ وہ کرهٔ زمین کے قطر کو پار کر کے دوسری جانب عبور کر جائیگی اور وہاں کی چیزوں کو اسیطرح پیش نظر کر دیگی جس طرح دوربین کے ذریعہ سے ہم کو ۱۴۰ ملین نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہونے والے ستارے نظر آجاتے ہیں۔ لاسلکی خبر رسانی میں بھی اس سے حیرتناک انقلاب پیدا ہونیکی توقع ہے کیونکہ یہ شعاع اس قدر قوی ہے کہ ایک معمولی آلہٴ نقل (Transmitter) جو دیا سلائی کے بکس کے اندر آسکے ہم کو اس قابل بنا دیگا کہ وہ کرهٔ زمین کے دوسری سمت کے لوگوں سے باتیں کر سکیں۔ بعض سائنس داں کا خیال ہے کہ یہ شعاع جوہر فرد (Atom) کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہے پھر چونکہ ایک چٹکی نمک میں بھی اتنی جوہری قوت (Atomic Energy) پائی جاتی ہے کہ ہزاروں ٹن کوئلہ کی مدد سے بھی نہیں حاصل ہو سکتی، اس لئے ظاہر ہے کہ اس نظریہ کی بنا پر کیسے محشر خیز انقلابات دنیا میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا کی نگاہیں لاسلکی شعاع پر لگی ہوئی ہیں اور ایک ہزار سال گزرنے سے قبل ہی بجلی کی قوت پیدا کرنا، مشینیں چلانا، ہوائی جہازوں کا اڑانا، موٹر کا چلنا، گہوارہ ہلانا، مکان کو صاف کرنا، کھانا پکانا۔ الغرض زندگی کے تمام کام اسی شعاع کے ذریعہ سے انجام پائیں گے۔ تجربات جاری ہیں اور امریکہ کے ایک سائنس داں نے جسکا نام نکولا ٹسلا ہے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، تازہ ترین خیال یہ ہے کہ لاسلکی کے مختصر تموجات کو ایک شعاع میں تبدیل کیا جائے اور پھر اس شعاع کی مدد سے برقی ذ ہوا میں پیدا کیا جائے۔ یہ فضا میں بالا بالا جائیں گی ان کی قوت کو تقسیم کر کے زمین کی طرف لایا جائیگا اور تمام کام چلائے جائینگے۔ اور اسی اصول کی بنا پر پیشین گوئی کیجاتی ہے کہ مستقبل جنگ میں گزشتہ جنگوں کی طرح نہ بندوقوں کی آواز ہوگی نہ توپوں کی گرج بلکہ وہ ہلاکت بار سکون مطلق ہوگا جو بغیر کسی ہنگامہ کے دنیا کو موت کی نیند سلا دیگا۔

تاریخ طبیعی کا ایک دلچسپ ورق

اور

عالم حشرات میں عقل و ذہن کی کارفرمائیاں

علوم حکمیہ اور طبیعیات میں تاریخ طبیعی اس قدر دلچسپ اور وسیع علم ہے کہ ایک بار اس کا ذوق پیدا ہونے کے بعد نہ کوئی اسے ترک کر سکتا ہے اور نہ ختم۔ چنانچہ بعض علماء نے اپنی ساری عمریں ایک حقیر کیڑے کے مطالعہ میں صرف کر دیں اور وہ مطمئن نہ ہو سکے، دو سال ہوئے امریکہ کے ایک پروفیسر نے کامل چالیس سال کے مطالعہ کے بعد چیونٹی کے حالات پر کئی جلدیں مرتب کر کے شائع کیں اور اس کے بعد بھی اس کو اپنی تحقیق پر کامل اعتماد نہ ہوا۔ اسی طرح کے اور بہت سے حقیر حشرات الارض ہیں جن کے حالات کا علم انسان کو بہت کم حاصل ہوا ہے، لیکن جسقدر معلوم ہو گیا ہے وہ بھی حقیقتاً ایک مکمل داستان حیرت و استعجاب ہے۔

آپ کو جن کیڑوں سے روز اور اکثر واسطہ پڑتا ہے انھیں میں سے ایک مکڑی بھی ہے، لیکن آپ غالباً اس سے واقف نہ ہوں گے کہ اس کی ضعیف و کمزور ساخت ایک دنیائے عجائب اپنے اندر رکھتی ہے، اور اس کا جالا جو کمزوری میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے ایک ایسی مضبوط چیز ہے کہ اس کی مثل انسان کوئی مستحکم چیز اس وقت تک طیار نہیں کر سکا۔

اگر آپ کسی سے کہیں کہ مکڑی اپنی ہوشیاری، خونخواری، قوت ابداع و اختراع اور جرأت و ہمت میں انسان سے بڑھی ہوئی ہے تو وہ ہنسنے لگیگا، لیکن جسوقت آپ اُس کو واقعات بتائیں گے تو اسے بھی آپ کا دعوےٰ تسلیم کرنا پڑے گا۔

یورپ کے مشہور مصنف (H. G. Wells) کا مقولہ ہے کہ اگر کبھی انسان کی سیادت کرۂ ارض سے اُٹھ گئی تو اس کے بعد جس "قوم" کی حکومت ہو گی وہ قوم مکڑی کی ہو گی۔

مسٹر ویلز کوئی سائنس دان شخص نہیں لیکن ایک ماہر جسنے مکڑی کا پورا مطالعہ کیا ہے وہ کہہ گیا ہے کہ ویلز اگر سائنس داں نہیں تو پیغمبر ضرور ہے جسنے ایسی صحیح پیشین گوئی کی ہے۔

مختلف قسم کی مکڑیوں کے حالات کا جو مشاہدہ کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بلا کی ذہین چیز ہے اور انسانی دماغ مشکل سے اس کی قوت ایجاد و اختراع اور انجنیری کا مقابلہ کر سکتا ہے

جن ماہرین فن نے اُس کے جالے کا مطالعہ کیا ہے ان کا بیان ہے کہ بعض مکڑیاں اس قدر باریک جالا طیار کرتی ہیں کہ اگر خوردبین کے ذریعہ سے دو ہزار گنا بڑا کر کے اس کو دکھایا جائے تو وہ گھوڑے کے معمولی بال سے زیادہ موٹا نظر نہیں آ سکتا،

حالانکہ اگر انسانی بال کو اسی نسبت سے بڑا کر کے دیکھا جائے تو وہ ۶ ½ انچ موٹا نظر آئے گا۔ پھر نازک و باریک جالے کی (جسکا قطر $\frac{1}{32.....}$ انچ ہوتا ہے) مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی رسی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک پروفیسر کا بیان ہے کہ خود اس نے اسی جالے کے ذریعہ سے بڑے چھوٹے مینڈکوں، سانپوں چھپکلیوں اور چمگادڑوں کا شکار کرتے ہوئے مکڑی کو دیکھا ہے۔ جس وقت کوئی بڑی مکڑی بھوکی ہو کر کسی تالاب یا حوض کی طرف شکار کو جاتی ہے تو بعض اوقات چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتی ہیں۔

بیٹویا میں ایک سانپ ہوتا ہے جس کی لمبائی تقریباً ایک فٹ ہوتی ہے، ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ ایک مکڑی نے جس کا جسم مٹر سے کچھ بڑا تھا اُس کو اس بُری طرح جالے میں لپیٹ لیا کہ وہ بھاگ نہ سکا۔ مکڑی نے اس کی دم کو بھی جالے میں لپیٹ کر مرکزی رشتہ سے باندھ دیا تھا اور منہ میں بھی بہت سا جالا بھر دیا تھا تاکہ وہ بالکل بے قابو ہو جائے۔

ایک بار چوہے کو جالے کے اندر تڑپتے ہوئے دیکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سونے کی حالت میں اس کی دُم کو جالے کے اندر لپیٹا گیا اور پھر جالے کے پھندے کے ذریعہ سے جو اس کے گلے میں ڈالا گیا تھا اوپر کی طرف کھینچ لیا گیا جہاں وہ میز کے نیچے جالے کے اندر بے قابو ہو کر لٹک گیا اور آخر کار مکڑی کی خوراک ہو گیا۔

جالے کی مضبوطی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس سے مچھلی کا جال طیار ہو سکتا ہے، چنانچہ نیو گائنا کے باشندے مکڑی کے جالے ہی سے مچھلی پکڑنے کا کام لیتے ہیں۔ یہاں بڑی قسم کی ایک مکڑی پائی جاتی ہے جو ۶ - ۷ فٹ قطر کا جالا بنتی ہے اور چڑیوں کے پکڑنے کے لئے بڑے بڑے پھندے طیار کرتی ہے۔ یہاں کے وحشی ایک بانس لیکر جنگل میں گاڑ آتے ہیں اور اس کے سرے پر ایک آنکڑا سا لگا دیتے ہیں۔ یہ آنکڑا گویا بڑے پھندے کا کام دیتا ہے اور مکڑی اگر اس پھندے سے اپنا جالا بننا شروع کر دیتی ہے۔ جب جالا طیار ہو جاتا ہے تو الگ بانس اکھاڑ کر لے جاتے ہیں اور اس سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ اس جال میں ایک اور خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ پانی اس پر اثر نہیں کرتا۔

مکڑی ہواباز بھی ہے اور گرما میں اس کی بہترین تفریح یہی ہوتی ہے کہ وہ فضا میں جھولا جھولے۔ اس کی تدبیر یہ ہوتی ہے کہ کسی بلند جگہ پر جا کر تین چار تاگے جالے کے نیچے کی طرف ڈھیلے لٹکا دیتی ہے اور خود ان پر لٹک جاتی ہے۔ ہوا سے یہ تاگے اِدہر اُدہر اڑتے ہیں اور وہ بھی ان کے ساتھ جھولا جھولتی رہتی ہے۔

مکڑی کی زندگی کا عجیب و غریب کارنامہ اس کا واقعۂ عشق و محبت ہوا کرتا ہے۔ سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ جالا بننا، شکار کرنا اور تمام ایجاد و اختراع یہ سب مکڑی (مادہ) کا کام ہوتا ہے، نر بہت حقیر، کاہل اور ذلیل ہوتا ہے۔ اسلئے محبت کے معاملہ میں بھی مادہ مکڑی ہی پیش پیش ہوتی ہے اور اسی کی مرضی پر سب کچھ منحصر ہوتا ہے۔

مکڑی کا عشق ہمیشہ چاندنی رات میں شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا اس کے مخصوص حرکات سے ہوتی ہے اور جسے رقص محبت" کہہ سکتے ہیں۔ جب مکڑی (نر یا مادہ) رقص محبت کرتی ہوئی بڑھتی ہے تو دوسری مکڑیوں سے اس کا جسم مس کرتا ہے

اگر یہ دونوں نر ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو مارتے ہوئے گزر جاتے ہیں لیکن جب نر اور مادہ کے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو چھونے کے بعد اگر رشتۂ محبت منظور نہیں ہوتا تو دونوں علیحدہ ہوجاتے ہیں اور اگر منظور ہوتا ہے تو پھر یہ رقص محبت دونوں کا ساتھ ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس کو شادی سے پہلے نسبت یا کورٹ شپ کی رسم سمجھنا چاہئے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ عہد نسبت طویل ہوتا ہے اور کبھی مختصر۔ کبھی اس نسبت کا نتیجہ شادی ہوا کرتا ہے اور کبھی افتراق۔ اس عہد الفت میں ان دونوں کا باہم ملکر گھومنا بہت پر لطف ہوتا ہے، کبھی دونوں گھنٹوں کے لئے خاموش کھڑے ہوجاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر پھر مل جاتے ہیں اور ٹہلنے لگتے ہیں۔ ان میں باہم جنگ بھی ہوتی ہے اور صلح بھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازدواج تک پہونچنے کے لئے وہ ایک دوسرے کا مطالعہ گہرائی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ بعض مکڑے بھی مردوں کی طرح صرف عیاش داد باش ہوتے ہیں اور ان کا میلان مادہ کی طرف کبھی سنجیدگی کے ساتھ نہیں ہوتا اور نہ شادی کرنا ان کا مقصود ہوتا ہے بظاہر اس قسم کے مکڑے بہت متواضع نہایت عمدہ رقص کرنے والے ہوتے ہیں اور اول اول ہر مکڑی ان کی طرف مائل ہوجاتی ہے لیکن بعد کو جب حقیقت کا علم ہوجاتا ہے تو اس سے احتراز ہونے لگتا ہے اور اُن کو ڈورے ڈالنے کیلئے کسی اور مکڑی کی جستجو ہوتی ہے۔

لیکن مکڑی کے عشق و محبت کی داستان کا انجام اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے، یعنی جس وقت وہ کسی مکڑے (نر) کا انتخاب کر لیتی ہے اور وہ غریب، اپنے انجام سے بے خبر مواصلت کو گوارا کر لیتا ہے تو مکڑی کی دعوت ولیمہ کا سارا سامان مکڑے ہی کی جان ناتوان فراہم کرتی ہے۔ یعنی مواصلت ازدواج کے بعد ہی مکڑی اس پر حملہ کرتی اور کھا جاتی ہے۔ بعض مرتبہ نر بھاگتا ہے اور پوری کوشش جانبری کے لئے کرتا ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا اور لذت مواصلت کے عوض اسکو اپنی جان کی قربانی بہر نوع پیش کرنا ہی پڑتی ہے

رسالہ بہارستان کا دور جدید

زیر ادارت ادیب الملک حضرت اختر شیرانی

جیسا کہ ناظرین کو علم ہے ملک کا مشہور اور گرانپایہ صحیفہ "بہارستان" حضرت اختر شیرانی کے قطع تعلق کے بعد نئے مالک و مدیر کی ناتجربہ کاری کے باعث بند ہوگیا تھا۔ ہم اہل ذوق کو یہ خوشخبری سنانا چاہتے ہیں کہ احباب کے بیہم اصرار پر اختر صاحب نے از سر نو اسکی ادارت قبول فرمائی ہے۔ ایک سرگرم جماعت انتظامیہ قائم ہوگئی ہے جسکے حسن اہتمام کے تحت "بہارستان" عنقریب اپنی رنگا رنگ ادبی دلآویزیوں اور شادابیوں کیساتھ نہایت شان سے شایع ہونا شروع ہوگا۔ خریداری کی درخواستیں منیجر "بہارستان" لاہور کے نام آنی چاہئیں۔

المعلن: سید مصطفی بی۔ اے۔ نجم الدین ایم۔ اے۔ ایس۔ سی (آنرز)، منظور حسن بی۔ اے۔ (علیگ)، غنی دی۔ اس۔ بی۔ اے

ضرورت ہے

ستمبر ۱۹۲۳ء اور نومبر و دسمبر ۱۹۲۵ء کے "نگار" کے پرچوں کی۔ جو صاحب علیحدہ کرنا چاہیں، پتہ ذیل پر مطلع فرمائیں۔

عمر تلہری معرفت { چیت سنگھ گوبخش سنگھ اینڈ برادرس
۲۹۲۔ سینڈہرسٹ روڈ بمبئی نمبر ۴ }

خوابِ نشاط

یہ ”بارِ نغمہ“ اٹھایا نہ جائے گا مجھ سے
”خوشی کا گیت“ ابھی گایا نہ جائیگا مجھ سے
”پیارے“! تجھکو جگایا نہ جائے گا مجھ سے

میں دور پھینک رہا ہوں رباب، سوئے
ترے نثار ——! مرے مستِ خواب، سوئے جا

ابھی تو گیسوئے لیلائے شب ہیں آوارہ،
ستارے ہیں ابھی گردوں پہ انجمن آرا،
ابھی تو رقص میں ہے چاندنی کا —— فوارہ،

ابھی کہاں سحر آفتاب؟ سوئے جا!
ترے نثار —— ! مرے مست خواب سوئے جا

ادائے زلفِ پریشاں یونہی رہے اے کاش!
کھلا ہوا —— یہ گریباں، یونہی رہے اے کاش!
یہ آفتاب —— زرافشاں یونہی رہے اے کاش!

تمام رات یوں ہی بے حجاب، سوئے جا
ترے نثار مرے مست خواب، سوئے جا

تجھے حبیب ہیں جو وہ ادائیں —— مانگونگا!
جو کام آئیں ترے وہ وفائیں —— مانگونگا!
تمام رات خدا سے دعائیں —— مانگونگا!

کھلے ہیں رحمت باری کے باب، سوئے جا!
ترے نثار مرے مست خواب سوئے جا!

(۲)

خوشا! کہ رہروِ راہِ وفا ہیں ـــــ ہم دونوں!
زہے نصیب! کہ حق آشنا ہیں ـــــ ہم دونوں
ہزار شکر! قریبِ خدا ہیں ـــــ ہم دونوں

حریمِ قدس میں ہیں باریاب، سوئے جا
ترے نثار مرے مستِ خواب، سوئے جا

نیاز و ناز کی عصمت کو آج دیکھیں گے!
ہم اپنے "قلب" کی عظمت کو آج دیکھیں گے!
خدائے "عشق و محبت" کو آج دیکھیں گے!

اٹھائے جائیں گے، لاکھوں حجاب، سوئے جا
ترے نثار مرے مستِ خواب، سوئے جا

روشؔ صدیقی

"نیند اُڑانے والے!"

آ، بس خواب ہی آ! نیند اڑانے والے
سو گیا کیوں مری قسمت کے جگانے والے

آنکھ کو اشک نہ دے قلب کی حرکت نہ بڑھا
روح کو چھیڑ تصور میں ستانے والے

چاند بھی ڈوب چلا، اب تو خدارا آجا!
روشنی بن کے نگاہوں میں سمانے والے

شکوۂ جور کا یہ ناز سے ملتا ہے جواب
"جاؤ بھی، آئے بڑے بات بنانے والے"

کوئی نو مشق نہ کہدے غلط اندازی پر
یوں نگاہیں نہ چرا تیر چلانے والے

طالبِ ضبط نہیں دل تو پھر ایسا کردے
صبر دیدے مجھے مجبور بنانے والے

طالب باغپتی

میلادِ خیال

امتیازِ من و تو مطلعِ دیوانِ حیات
حفظِ ناموسِ خودی مایۂ وجدانِ حیات
ہر دو عالم بہ نگہ دیدۂ ارمانِ حیات
برتر از وہم و گماں منزلتِ شانِ حیات

زندگی جوہرِ بیتاب کی خود رائی ہے
زندگی اپنی نمائش ہی کی سودائی ہے

حال کیا جانے کوئی اس کے نہاں خانوں کا؟
زندگی نام ہے جذبات کے طوفانوں کا
سلسلہ ہے یہ تمناؤں کا ارمانوں کا!
کیا حقیقت ہے جو مجموعہ ہے افسانوں کا

زندگی ذوقِ طلب لے کے جو بیدار ہوئی
نشۂ بادۂ کردار سے سرشار ہوئی

جوشِ کردار کہیں موجبِ رفتار ہوا
کہیں احساس فقط اور کہیں پندار ہوا
پر پرواز بنا اور کہیں گفتار ہوا!
آخرش دل ہوا اور حاملِ اسرار ہوا

عشق نے دیکھتے ہی دل کی پذیرائی کی
عجز سے جھک کے ملائک نے جبیں سائی کی

عشق کے فیض سے جب حسن کا ادراک ہوا!
پردۂ دیدۂ دل مثلِ سحر چاک ہوا
پرتوِ نور ہر اک ذرہ کی پوشاک ہوا!
اک نئی چیز جہانِ خس و خاشاک ہوا

وہی ماحول جو ظلمات نظر آتا تھا
اب نگاہوں کو طلسمات نظر آتا تھا

جوہرِ آئینۂ دل کو یہ حیرانی تھی
حسن مستور تھا جلوؤں کی نمروانی تھی
مئے پندار میں کیفیتِ وجدانی تھی
ایک بیتابی تھی - الجھن تھی پریشانی تھی!!

شوق کی اس خلش نو نے نکالیں راہیں
بن گئیں صورتِ زیبائے تخیل آہیں

کیا کہوں اہلِ زمیں دل کے یہ کیا ہاتھ لگا!
مرکزِ دائرہ ارض و سما ہاتھ لگا!!
چشمہ کیا، قلزمِ امواجِ بقا ہاتھ لگا!
اسمِ اعظم جسے کہیئے بخدا ہاتھ لگا!

کن کی تاثیر تخیل میں نہاں ہے واللہ!
ہر دو عالم میں یہی روح رواں ہے واللہ

نہ تو پابند زماں ہے نہ گرفتارِ مکاں! منظر اس کی نگاہوں کے ہیں اسرار نہاں
اسکی توصیف سے قاصر ہے امیںؔ میری زباں نی تواں گفت دریں باب عیاں را چہ بیاں

''ہست ایں میکدہ و دعوت عام است اینجا''
''قسمت بادہ بہ اندازۂ جام است اینجا'' (اقبال)

امین حزیں

بسنت کی آمد

بہارِ صبح دلکش بسنت بن کے آگئی نمودِ حسن کی گھٹا سرور بن کے چھاگئی
نصیب صحنِ باغ کا جو سو رہا تھا سو چکا خزاں کا دور ہو چکا خزاں کا دور ہو چکا
اب اپنے حسن پر فدا شجر بھی ہے حجر بھی ہے کمال شانِ دلبری ادھر بھی ہے ادھر بھی ہے
نگاہِ شوق آج پھر دل پر آرزو ہوئی زمین سیرِ گل ہوئی فضائے رنگ و بو ہوئی
پھر آج رنگ نسترن نظر نواز ہو گیا پھر آج برگ یاسمن حریم ناز ہو گیا
غبار خستہ خاطری ہر ایک رخ سے دھل گیا دعا قبول ہو گئی در کریم کھل گیا
چمن کی شاخ شاخ پر طیور نغمہ زن ہوے یہ نغمے حسن بن گئے فروغ انجمن ہوے
ہر ایک شے میں زندگی ادائے ناز ہو گئی شگفتگی میں تازگی کرشمہ ساز ہو گئی
چمن میں آکے رک گئیں جنونکی ہرزہ گردیاں ہوا میں اعتدال ہے نہ گرمیاں نہ سردیاں
یہ ڈر تھا اندر باغ میں کریں نہ کچھ خرابیاں گلاب لیکے آگیا بھری ہوئی گلابیاں
صنم کدہ سے برہمن جو ہو کے بیقرار اٹھا بہارِ سبزہ دیکھ کر ہری ہری پکار اٹھا
صبا نے زرا اٹھا لیا قدم اٹھائے تول کے خطرہ یہ ہے نہ دیکھ لے شگوفہ آنکھ کھول کے
نظر کا ذوقِ جستجو چمن میں خندہ زن ہوا یہ خندہ رنگ بن گیا گلوں کا پیرہن ہوا
ہری ہری یہ کیاریاں یہ پھول کو کنار کے فرنگیوں نے لے لئے علاقے زنگبار کے!
ہر ایک پھول ہے باغ میں عروج شان ارتقا زمین گلستان ہے یہ کہ آسمان ارتقا
حیات تازہ مل گئی تمام کائنات کو طیور کو ہوام کو جماد کو نبات کو

[illegible]

غزلیات

ثاقب جالندھری

جیتے جی مر مٹے ترے جانباز
اک تماشہ ہے عشق کا اعجاز

اے تمنائے دل خدا حافظ
اب تو ناکامیوں کا ہے آغاز

چشم انجم سے بھی جو پنہاں ہے
دیکھتی ہے وہ چشم جلوہ طراز

طول کھینچا ہے وہ اسیری نے
مٹ گئی دل سے حسرت پرواز

نشۂ کیف تا ابد رہتا
کاش کھلتا نہ ہمپہ اپنا راز

ہے وہ منزل ہماری نظروں میں
جسکو سمجھے ہوئے تھے دور دراز

صورتیں ہیں نظام عالم کی
آپ کا ناز میری شان نیاز

برق تڑپے نہ آشیاں کے لئے
بلبلوں میں نہ ہو جو سوز و گداز

کیا کروں دل کی جستجو ثاقب
ان کی زلفوں کا سلسلہ ہے دراز

حبیب رامپوری

دل ہو وارفتہ محبت میں تو پروا کیا ہے
فرطِ غم کشمکشِ ذوق تمنا کیا ہے

اُس سے میں مجھ سے ہے بیزار مری عمر رواں
خود میں حیران ہوں آخر یہ تماشا کیا ہے

مجھ سے کیا چاہتے ہو حسرت دل کی تشریح
مجھ سے کیا پوچھتے ہو میری تمنا کیا ہے

ہو کے مجبور مسیحا نے مجھی سے پوچھا
اچھا اب تو ہی بتا تیرا مداوا کیا ہے

فخر اسکا ہے کہ دشنام طلب ہوں سر بزم
مری توہین مرے واسطے بیجا کیا ہے

کشتۂ نازجو ہیں اس بت کافر کے حبیب
وہ یہ کیا جانیں کہ اعجاز مسیحا کیا ہے

صفی اورنگ آبادی

دنیا کی حرص، دین کی پروا کہاں مجھے　　تم مل گئے تو مل گئے دونوجہاں مجھے
مرجانے کے یقین پر ایسی خوشی ہوئی　　گویا ملی ہے زندگیٔ جاوداں مجھے
یہ کیوں ہے واقعاتِ گذشتہ کا تذکرہ　　تم کیوں سنا رہے ہو مری داستاں مجھے
لوگوں کی بات بات کے سو سو جواب ہیں　　تم نے بنا دیا ہے مگر بے زباں مجھے
اقرار کیا کیا ہے کہ اک چپ سی لگ گئی　　گویا وہ گونگے بن گئے دیکر زباں مجھے

غیروں سے التجا کی ضرورت نہیں صفی
گھر بیٹھے بھیجدیتے ہیں اللہ میاں مجھے

ضیا بدایونی

غمزۂ بے پناہ نے مارا　　تیر بنکر نگاہ نے مارا
لے چلا پھر صنم کدے کی طرف　　دل گم کردہ راہ نے مارا
دیکھتا ہوں بہار میں بھی خزاں　　چشم عبرت نگاہ نے مارا
ہو ہی جاتے ستم کے خوگر ہم　　کرم گاہ گاہ نے مارا
انفعال ستم معاذ اللہ　　نگہ عذر خواہ نے مارا
شکر بیداد بھی گلہ ٹھیرا　　عشق کی رسم و راہ نے مارا

کیا کروں برق حسن کا شکوہ
مجھے ذوق نگاہ نے مارا

ظفر سنبھلی

خوگرِ لطفِ دو عالم نہیں ارماں میرا
مجھ کو لے جائے کہاں دیکھئے امکاں میرا

دل کی ایذا طلبی بن گئی درماں میرا
کام آیا شبِ غم دردِ فراواں میرا

پرتوِ حسنِ تخیل ہیں نقوشِ ہستی
ہر گھڑی رنگ بدلتا ہے گلستاں میرا

کارواں ہے نہ میں خود ہوں نہ جرس کی آواز
منزلِ عشق میں دیکھے کوئی ساماں میرا

دھو دیے داغِ گنہ، اے تری رحمت کے نثار!
بن گیا ابرِ کرم دامنِ عصیاں میرا

مہدی اجنالوی

فغاں تو لب پہ ہے لیکن اثر فغاں میں نہیں
سمجھ لیا ہے یہ دل نے کہ ہم جہاں میں نہیں

گلوں کا خون عنادل کی موت۔ شورِ جنوں
بہار میں جو بلائیں ہیں وہ خزاں میں نہیں

جنونِ عشق کی یہ بے خودی معاذ اللہ
اب امتیاز رقیب اور رازداں میں نہیں

تجھی کو دیکھ یہ کافی ہے پوچھنے والے
کہ مجھ سے بڑھ کے اثر میری داستاں میں نہیں

نظیر لودھیانوی

عاشقِ نامراد اٹھ نیند حرام ہو چکی
دورِ نشاط جا چکا گردشِ جام ہو چکی

سرد قلوب ہو چکے جھگڑے خوب ہو چکے
تارے غروب ہو چکے رات تمام ہو چکی

گیسوئے شب بکھر چکا نشۂ مے اتر چکا
عہدِ طرب گذر چکا رونقِ بام ہو چکی

کھل گئی صبح کی جبیں خواب سے جاگ اٹھے حسیں
جلوۂ مہر سے زمیں آئینہ فام ہو چکی

سینے میں رنگِ سومنات دل میں غمِ منات و لات
میری تمام کائنات انکی غلام ہو چکی

کشتے پڑے ہیں پیش و پس پھر بھی ہے ظلم کی ہوس
کوئی انہیں کہے کہ بس مشقِ خرام ہو چکی

مرغِ حرم کو ہر بشر کرتا ہے ذبح یا اسیر
تیغِ جہاد اے نظیر وقفِ نیام ہو چکی

باب الاستفسار

جوہر فرد ۔ ذرہ ۔ یا دقیقہ

(جناب کرم الدین صاحب ۔ ہاوڑہ)

گذشتہ ماہ کے رسالہ میں "ایک عالم و عامی کا مکالمہ" میری رائے میں کوئی اچھی روشنی جوہر فرد پر نہیں ڈالتا اور نہ اس سے مسلسل یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے کس نے یہ خیال پیدا کیا اور رفتہ رفتہ اسمیں کیا تبدیلی پیدا ہوئی اگر زحمت نہو تو مختصر بحث استفسار کے سلسلہ میں اس امر پر بھی درج کیجئے۔

(نگار) تحقیق کے ساتھ یہ بتانا کہ، جوہر فرد (Atom) کا خیال سب سے پہلے کس کے ذہن میں آیا بہت دشوار ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یونانیوں نے اسکو فلاسفۂ ہند سے حاصل کیا تھا، اور بہت ممکن ہے کہ یہ رائے درست ہو لیکن اسکا کوئی تاریخی سراغ لگانا مشکل ہے۔ بہرحال اسوقت تو عام طور پر یہی تسلیم کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے یونانی فیلسوف دیمقراطیس نے جو ۴۰۰ سال قبل مسیح پایا جاتا تھا اس اعتقاد کو رواج دیا کہ مادہ مرکب ہے ایسے ذرات یا دقایق سے جو ہر وقت متحرک رہتے ہیں اور جو اسقدر چھوٹے ہیں کہ نہ نظر آ سکتے ہیں اور نہ ان کے اجزاء ہو سکتے ہیں۔ دیمقراطیس کا خیال تھا کہ ظواہر طبیعی کی تفسیر بہ صورت فرض کرنے سے بآسانی ہو سکتی ہے۔ مثلاً پانی کے متعلق کہتا تھا کہ وہ مرکب ہے نرم ذرات سے جو گردی شکل کے ہیں اور باہم ایک دوسرے پر آسانی سے پھسلتے رہتے ہیں۔ برخلاف لوہے کے ذرات کے کہ وہ سخت ہیں جسم انسانی کو بھی وہ اسی طرح ذرات سے مرکب بتاتا تھا، سانس لینے کو بھی وہ یہی کہتا تھا کہ پرانے ذرات نکل کر نئے ذرات اندر داخل ہوتے ہیں، بلکہ وہ مادہ سے گزر کر روح کی حقیقت بھی یہی بیان کرتا تھا کہ وہ مرکب ہے نرم، لطیف، مستدیر سریع الحرکت ذرات سے جو تمام اجزاء جسم میں حد درجہ سرعت کے ساتھ حرکت کرتے رہتے ہیں۔

لیکن دیمقراطیس کا یہ قول، دوسرے فلاسفۂ یونان کی طرح صرف قول ہی قول تھا اور کوئی عملی تجربہ اس کا نہیں ہوا تھا۔ اس خیال کو ایک زمانہ گذر گیا اور کوئی ترقی اس کو نہیں ہوئی، یہانتک کہ انگریزی فیلسوف ڈالٹن (۱۷۶۶ء ۔ سنہ ۱۸۴۴ء) پیدا ہوا اور اس نے عملی تجربوں اور مشاہدوں سے دیمقراطیس کے نظریہ کو جانچا، چنانچہ اس نے یہ ظاہر کیا کہ ہر کیمیاوی عنصر مرکب ہے ایسے ذرات سے جو وزن میں برابر، نوع میں متشابہ ہوتے ہیں۔ اور دوسرے عنصر کے ذرات سے وزن و نوع میں مختلف ہوتے ہیں لیکن جسوقت دو یا زاید عنصر کو ملایا جاتا ہے تو ان کے ذرات ملکر ایک دقیقۂ مرکب بناتے ہیں اور ان مرکب دقائق یا ذرات

کا مجموعہ اتحاد کیمیادی کہلاتا ہے۔

اس کے ایک زمانہ بعد علمائے بعض جدید نوامیس دریافت کئے جنکی بنا پر ڈالٹن کی رائے میں کچھ اضافہ کرنا پڑا اور بعض اور نظریے پیدا ہوئے، جن میں سے بہت مشہور نظریہ یہ تھا کہ مختلف گیس یا بخار کے حجوم متساوی، متشابہ حالات میں برابر کے دقایق منفصلہ رکھتے ہیں۔

اس کے بعد ذرات عناصر کا وزن ذرۂ آکسیجن کی نسبت سے مقرر کیا گیا، چنانچہ آکسیجن کا وزن ۱۶ مانکر کاربن کا وزن ۱۲، نائٹروجن کا ۱۴ مانا گیا۔ سب سے ہلکا وزن ہیڈروجن کا (یعنی ۱،۰۰۷) اور سب سے وزنی یورانیوم کا (۲۳۸،۲) مقرر ہوا۔ اوزان کی تعیّن سے گویا علم کیمیا کی ریاضی بنگئی اور بہت سے مسلمات کیمیادی حساب کے مرتب ہوگئے جنکے بغیر اس علم کا سمجھنا دشوار ہے

الغرض سنہ ۱۹۰۳ء تک دنیا کا اعتقاد یہی رہا کہ عناصر کے ذرات بالکل فرضی اور ناقابل تجزیہ ہیں، ان کے ابعاد و اوزان کی معرفت ممکن نہیں اور جس وقت مادہ تحلیل کیا جاتا ہے تو اس میں ۹۰ مختلف قسم کے دقایق پائے جاتے ہیں جو مختلف عناصر کے ذرات ہیں۔ لیکن گذشتہ ۲۵ سال کے اندر اس نظریہ میں بہت تغیر پیدا ہوگیا ہے۔ مثلاً یہ کہ ذرات عناصر فرضی نہیں بلکہ حقیقتاً موجود ہیں اور یہ کہ ذرہ یا عنصر ڈالٹن کی رائے کے مطابق خاموش یا ساکن چیز نہیں ہے بلکہ اسکا نظام بالکل نظام شمسی کیطرح ہے جس طرح کہ آفتاب کے گرد اس کے تابع سیارے گردش کرتے رہتے ہیں، اسی طرح ذرہ کے اندر بھی ایک مرکزی چیز آفتاب کی طرح قایم ہے جسکے گرد اور اجزا گردش کر رہے ہیں۔ اس جدید نظریہ نے گویا یہ ثابت کیا کہ تمام عناصر کی اصل ایک ہے اور ایک عنصر کا دوسرے عنصر میں تبدیل ہوجانا ممکن ہے۔ ذرات باوجود ناقابل تجزیہ ہونے کے حقیقتاً موجود ہیں جن سے عناصر ترکیب پاتے ہیں اور جن کو علماء نے شمار کرلیا ہے، وزن کرلیا ہے، اون کی سرعت متعین کرلی ہے اور اس کی تصویر لیلی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ بصارت انسانی نے یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عقل انسانی نے یہ سب کچھ استنباط کرلیا ہے۔ سر ولیم کروکس نے حال ہی ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کا نام "Spinthar scope" (منظار الشرر) ہے اس کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب ریڈیم کسی ایسی تختی سے مس کرتا ہے جس پر "Zinc sulphide" (کبریت توتیا) کی تہ جمی ہو تو اس سے چھوٹے چھوٹے دقایق پیدا ہوتے ہیں (جنہیں ذرات ہلیوم کہتے ہیں) اور محدب شیشے سے ان چنگاریوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ علماء نے اندازہ کیا ہے کہ ان ذرات کی سرعت ۱۰ ہزار میل فی ثانیہ سے زیادہ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ اس مادۂ مشتعل کے متعین وزن میں کتنے ذرات ہلیوم ہیں اور کتنی چنگاریاں فی سکنڈ پیدا ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر ولسن ذرۂ ہلیوم کے حرکت کی تصویر لینے میں بھی کامیاب ہوگیا تھا اور وہ اس طرح کہ جب ذرۂ ہلیوم تر ہوا کے اندر سے گزرتا ہے تو پانی کا بخار متکاثف ہوکر نہایت باریک نقطوں کی صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے جسکی تصویر لی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر آسٹن کا بیان ہے کہ اگر ایک مکعب ڈسیمٹر (Decimetr) لیکر اس کے آٹھ برابر کے مکعب

بنائے جائیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کے برابر برابر مکعب بنائے جائیں اور یہ عمل ۸۲ بار کیا جائے تو اخیر میں ہمکو سیسے کا ایک ذرۂ اصلی دریافت ہو جائے گا۔ جو اس قدر باریک ہوگا کہ اگر ایک مکعب ڈیسیمٹر سیسے کے ان ذرات کو برابر رکھا جائے تو لاکھوں بلکہ کروروں میل تک پہونچ جائیں۔

ذرۂ مادی خود ایک مجموعہ ہے اجسام سالبہ کا جنہیں کہارب (Electrons) اور اجسام موجبہ کا جنہیں پروٹن (Protons) کہتے ہیں، یعنی پروٹن کے گرد کہارب گردش کرتے رہتے ہیں اور یہ نظام ایک ذرۂ مادی بناتا ہے۔ پروٹن اور کہارب کے حجم کا ذکر فضول ہے کیونکہ اگر ایک ذرہ کو بڑا کرکے گنبد کی طرح بنا دیا جائے تو بھی کہارب آلپین کے سرے کے برابر نظر آئیں گے۔ اور پروٹن اسوقت بھی نہ نظر آئے گا۔ الغرض ذرہ کا وجود بھی بالکل نظام شمسی کی طرح مانا گیا ہے البتہ فرق یہ ہے کہ مختلف عناصر کے ذرات میں مختلف کہارب یا برقپارے ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض مرتبہ ذرہ پھٹ کر بے شمار حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور اسکی ہر تقسیم ایک مستقل نظام گردش ہوتی ہے اور اسی طرح ایک عنصر دوسرے عنصر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ذرۂ یورانیوم میں ۹۲ برقپارے ہوتے ہیں، اگر اس نظام میں تبدیلی ہوکر صرف ۸۸ کہارب رہجائیں تو وہ ذرۂ ریڈیم میں تبدیل ہو جائیگا یا صرف ۸۲ رہجائیں تو وہ سیسہ بنجائیگا۔ یا صرف ۸۰ رہجائیں تو پارہ اور ۷۹ رہجائیں تو سونا بنجائیگا۔ چنانچہ اسی اصول بنا پر جرمنی کے کسی کیمیادان نے حال ہی میں پارہ کو سونے میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ بعض علماء ذرہ کی اس حقیقت کے مخالف ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اینشٹین کے نظریہ کے مطابق جس نے نہ ایتھر کے وجود کو مانا ہے نہ قانون جذب کشش کو گذشتہ تحقیق ذرہ کے متعلق بعض کے نزدیک درست نہیں لیکن ابھی تک دنیا اسی پر کاربند ہے اور تا حال کوئی اور ایسا زبردست یقینی نظریہ پیدا نہ ہو سکا جو اول نظریہ کو غلط ثابت کر دے۔

سکّہ کا رواج اسلام میں

(جناب صدر الدین صاحب ۔ بہاولپور)

سکہ کا رواج اسلام میں کب سے ہوا اور قبل اسلام لین دین کی کیا صورت تھی۔

(نگار) عرب کے ایام جاہلیت میں کسی خاص سکہ کا رواج نہ تھا۔ خرید و فروخت میں قریب کے ملکوں کے سکے استعمال کرتے تھے چنانچہ اس وقت انکے یہاں دینار رومی جسے وہ رومیہ کہتے تھے اور ایران کے سکے جنہیں وہ دراہم کسروی کہتے تھے زیادہ رائج تھے،

حدود یمن کے قریب حمیری سکے بھی چلتے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی اور بعض احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوزان و اعداد ناپ تول اور خرید و فروخت میں سکہ وغیرہ وہی رائج تھے جو ظہور اسلام سے پہلے پائے جاتے تھے۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بھی اس طرف اعتنا نہیں کیا گیا۔ خلیفہ دوم کے زمانہ میں فتح عراق کے بعد جب دولت ساسانی پر اقتدار قایم ہوا تو اس وقت وہاں تین مختلف وزن کے درہم رائج تھے (۱۰، ۱۲، اور ۲۰ قیراط کے)۔ خلیفہ دوم نے یہ دیکھ کر کہ اس اختلاف وزن کیوجہ سے ادائے زکوٰۃ میں دقت پیدا ہوگی، صرف ایک سکہ ۱۴ قیراط کا رائج کیا جسے درہم عمری کہتے ہیں اور یہ پہلا سکہ ہے جو عہد اسلام میں رائج ہوا، اور ان دس سکوں کو سات مثقال کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ سکہ کی صورت وہی رکھی گئی جو پہلے تھی یعنی ہلال اور ستارہ جو قدیم اہل فارس کا نشان تھا وہ بدستور اسی قایم رکھا گیا البتہ دائرہ میں "بسم اللہ"، "بسم اللہ ربی" یا "الحمد للہ" اور سنہ ہجری کندہ کیا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ چہارم (علی ابن ابی طالب) کے وقت تک یہی سکہ قایم رہا اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ جب ۴۱ھ میں دولت اموی شام میں قایم ہوئی تو معاویہ نے بھی کئی سال تک وہی سکہ مسکوک کرایا جو پہلے سے رائج تھا، لیکن ۵۱ھ میں صوبوں کے امرا نے امیر کو لکھا کہ اگر سکہ پر امرا سلمین کے نام درج کئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ امیر نے اسکی اجازت دیدی اور اب امرا کے نام بھی (پہلوی خط میں اور بعد کو کوفی خط میں) سکہ پر کندہ ہونے لگے۔

جب بنی امیہ کے پانچویں تاجدار (عبد الملک بن مروان) کا زمانہ آیا تو اس نے حکم دیا کہ اسکا نام سکہ پر درج کیا جائے اور اسپر "عبد الملک امیر المومنین" بھی بسم اللہ ربی کے ساتھ ساتھ منقوش کیا گیا۔ حجاج نے جو سکے عراق میں مسکوک کرائے ان کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ اسنے "الحمد اللہ الصمد" یا "بسم اللہ" کے ساتھ اپنا نام بھی بڑھوایا تھا، اور اہل عراق اس سکہ کو بغلی کہتے تھے لیکن اس خیال کی تصدیق پر کوئی علمی دلیل موجود نہیں ہے۔

ابن خلدون اور مقریزی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے عبد اللہ ابن زبیر نے گول سکے کا رواج دیا۔ یعنی جب مکہ میں ان کا مستقل قیام ہو گیا تو انہوں نے ایرانی سکہ کی صورت بدلکر اس کو گول کر دیا اور اس کے ایک جانب "محمد رسول اللہ" اور دوسری طرف "امر اللہ بالوفار و العدل" تحریر کرایا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب انکے بھائی مصعب کا زمانہ آیا تو انہوں نے ایک جانب لفظ اللہ اور دوسری طرف لفظ برکت نقش کرایا، لیکن علمار متاخرین کی روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابن زبیر نے نئی طرح کا سکہ جاری کیا، سوائے اس کے کہ علمار آثار نے ایک سکہ ضرور ایسا پایا ہے جسکے ایک طرف پہلوی خط میں "عبد اللہ امیر المومنین" اور دوسری طرف "بسم اللہ ربی" منقوش ہے اور اس کا سنہ ضرب ۶۲ ہے۔ مصعب ابن زبیر کے زمانہ کا جو سکہ ملا ہے اسمیں صرف لفظ بسم اللہ پایا جاتا ہے لفظ برکت نہیں ہے اور نہ یہ سکے فارسی سکوں سے صورت میں مختلف ہیں۔

طلائی سکوں میں سوائے دینار رومانی کے جسے وہ ہرقلیہ کہتے تھے، اول اول وہ کسی اور سکہ سے واقف نہ تھے،

جب خلیفہ ثانی کے زمانہ میں سوریہ فتح ہوا تو انہوں نے اسی کو قایم رکھا البتہ اسپر کوئی عربی کلمہ اور سنہ ہجری میں بڑھا دیا۔ لیکن اس قسم کے سکے تلاش سے صرف دو چار دستیاب ہو سکے ہیں[1] جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک نے طلائی سکے جمع کر کے گلوا دئے تھے اور پھر ان کو جدید طریقہ پر ڈھالا تھا۔

تانبہ کا سکہ بھی (جسے عرب "فلس" کہتے تھے) رومانی تھا اور مسلمانوں نے فتح شام کے بعد اس کو بھی ادنیٰ تغیر کے ساتھ اسی حال پر قایم رکھا۔

الغرض ابتداءِ عہد میں مسلمانوں نے مشترک سکے مسکوک کرائے اور کوئی خاص طرز انکی قایم نہیں کی۔ سب سے پہلے مشترک درہم دمشق میں مسکوک ہوا جسپر شاہ ہرقلیوس کی کھڑی تصویر بنی ہوئی ہے اور درمیان میں حرف M اور دونوں طرف تاریخ ضرب XVII - anno (یعنی ۱۷ سنہ) درج ہے۔ اس سکہ پر کوئی عربی لفظ نہیں پایا جاتا۔ اس طرح مشترک تانبہ کا سکہ ۱۸ھ میں بمقام حمص ڈھالا گیا۔ اس میں کلمۂ طیب بھی عربی میں منقوش ہے۔

آستانہ کے خزانہ میں مشترک نقود اسلامی میں سے ایک درہم ۲۰ھ کا پایا جاتا ہے جو ہرات میں ڈھالا گیا تھا۔ اس کے وسط میں کسریٰ ثانی کا چہرہ ہے اور نیچے چاند تارہ، بائیں طرف دو لفظ "ام افزود" اور کلمہ ہوسروی (یعنی کسریٰ) پہلوی خط میں منقوش ہیں اور دائرہ میں بسم اللہ بخط کوفی درج ہے۔

اسی طرح عہد عثمانی کا ایک سکہ جو ۲۸ھ میں مسکوک ہوا اور عہد حضرت علی کا ایک درہم جو ۳۷ھ میں مسکوک ہوا، اور معاویہ و زیاد ابی سفیان وغیرہ کے عہد کے سکے دریافت ہوئے ہیں اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اسلامی سکے رومانی اور فارسی سکوں کے ساتھ مشترک تھے یعنی انہیں میں تھوڑی تبدیلی کر کے قایم رکھا تھا۔

---

[1] ایک سکہ فرانس کے عجائب خانہ میں ہے، ایک کرنل کوتری کے پاس ہے اور تیسرا آستانہ کے عجائب خانہ میں۔

تذکرۂ خندۂ گل

نہایت تیزی کے ساتھ چھپ رہا ہے اور ۳۵۰ صفحات چھپ چکے ہیں باقی صفحات بھی انشاء اللہ بہت جلد چھپ جائینگے۔

جن حضرات نے عہ/ پیشگی بھیجدیے ہیں، انکی خدمت میں طباعت کے بعد ذریعۂ رجسٹری فوراً روانہ کر دیا جائیگا۔

اب بھی موقع ہے کہ آپ دو روپیہ بھیجکر نصف قیمت میں اسے حاصل کرلیں ورنہ طباعت ختم ہونے پر للعہ روپیہ سے کم اسکی قیمت نہ لیجائیگی اور محصول علاوہ اس کے ہوگا۔ کیونکہ اسکا حجم ۵۰۰ صفحات سے زیادہ ہوگا۔

اردو زبان میں یہ پہلا تذکرہ ہے جسمیں تمام قدیم و جدید ظریف شاعروں کے حالات اور انکے لطایف اور انتخاب کلام کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

منیجر "نگار" لکھنؤ

معلومات

ترکی میں اصلاحات جدیدہ کا طوفان

بظاہر یہ امر نہایت معمولی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ترکی نے عربی حروف برلکر لاطینی حروف اختیار کر لئے، لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے اس تدبیر سے ایسی غیر معمولی تبدیلی ساری قوم کی ذہنیت میں پیدا کر دی ہے کہ مشکل سے کوئی اور تدبیر اسقدر مفید ثابت ہو سکتی۔ زبان پر اس تغیر کا جتنا اثر پڑنا چاہئے وہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے قبل کی جتنی کتابیں عربی حروف کی تھیں وہ سب منسوخ کر دی گئی ہیں، اور اسوقت ساری قوم بغیر لٹریچر کے رہگئی ہے۔ لوگوں نے عربی خط کی مطبوعات کو خریدنا چھوڑ دیا ہے اور کتب فروشوں کو جرأت نہیں کہ انہیں بازار میں لائیں، ہر چند قانوناً اسکی ممانعت نہیں ہے۔ صرف قسطنطنیہ میں ۲۰ لاکھ کتابیں ضایع کی گئیں، اور پبلشروں و کتب فروشوں نے حکومت سے معاوضہ کی درخواستیں پیش کی ہیں۔ جنوری آیندہ سے کوئی کتاب عربی حروف میں طبع نہیں ہو سکتی۔

جدید حروف میں اس وقت ایک کتاب شایع ہوئی ہے جو بازار میں فروخت ہو رہی ہے۔ یہ ایک ممبر پارلیمنٹ کی لکھی ہوئی ہے اور "شعر منثور" کا مجموعہ ہے۔ اسکا نام دملہ دملہ (قطرہ قطرہ) ہے اور جو طلبہ کو بصورت انعام دیجائیگی۔

حکومت کے مطابع اسوقت اسکولوں کی کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔ بچوں کے لئے پرائمری، ریڈریں، معہ رنگین تصاویر اور نقشوں وغیرہ کے جدید حروف میں چھاپی جا رہی ہیں۔ انکی مانگ ملک میں بہت ہے۔ لاطینی حروف کے رواج نے زبان پر بڑا اثر کیا ہے اور اسکی سادگی بڑھتی جاتی ہے بہت سے قدیم وہ الفاظ جو جدید حروف میں آسانی سے نہیں لکھے جا سکتے ترک ہوتے جاتے ہیں، اور عربی فارسی کے تمام الفاظ زبان سے علیحدہ کئے جا رہے ہیں۔

مختلف صوبوں میں کمیشن مامور کئے گئے ہیں تاکہ ان مفید الفاظ اور فقروں کی تحقیق کریں جو نئی زبان میں رائج ہو سکتے ہیں، زبان کی یہ کمیشن، ایک قسم کی ترکی اکاڈیمی کی صورت اختیار کر رہی ہے جسکا فرض ہوگا کہ وہ مصنفین و مؤلفین کو زبان کی مناسب حدود سے آگے نہ بڑھنے دے۔

ناول نویسوں کی تعداد وہاں بڑھ رہی ہے اور وہ لوگ جو پرانی طرز تحریر کے عادی تھے وہ جدید حروف میں لکھنا اور جدید اسلوب بیان میں تصنیف کرنا سیکھ رہے ہیں۔

حروف آشنا اور پڑھا لکھا ہونا اب وہاں فیشن ہے، اور ہر آغا (ان پڑھ) اب آفندی (پڑھا لکھا) بننے میں مصروف نظر آتا ہے۔

مصطفےٰ کمال پاشا نے فنون لطیفہ کی ترقی کی طرف بھی توجہ کی ہے، تصویر سازی اور مجسمہ سازی کے خلاف مذہبی ممانعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں ظاہر کیا کہ کوئی مہذب قوم بغیر فنون لطیفہ کی ترقی کے رہ نہیں سکتی، اور حسن و جمال کا اظہار مختلف ذرایع سے کبھی مخرب اخلاق نہیں ہو سکتا۔

غازی مصطفےٰ کمال کے پورے اور نصف مجسّمے تمام بڑے بڑے شہروں میں قایم کئے گئے ہیں۔ انگورہ میں ایک بڑا مجسمہ دھات کا نصب کیا گیا ہے، جسمیں وہ وردی پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار ہیں اور اپنے نئے دارالسلطنت کی طرف دیکھ رہے ہیں ان کے گرد چار سپاہی ہیں جو سنگینوں کو اسطرح تانے ہوئے ہیں جیسے مدافعت کے وقت تانی جاتی ہیں۔

عریاں نقاشی و مجسّمہ سازی بھی مدارس فنون میں سکھائی جاتی ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ لاطینی حروف کے اجرا نے بعض حلقوں میں بےچینی پیدا کر دی تھی اور بر ذحصہ میں علانیہ مخالفت بھی کیگئی لیکن یہ لوگ فوراً گرفتار کئے گئے اور ایسی تحریکوں کو سختی سے دبا دیا گیا۔ اور دور کے اضلاع میں جہاں قدامت پرستی باقی ہے جدید اصلاحات کو اسلام کے منافی سمجھا جاتا ہے، لیکن کھلی ہوئی مخالفت کرنے کی تاب کسی میں نہیں ہے۔ غیر ملکی لوگوں کی سخت نگرانی ہوتی ہے، اور جب ان میں سے کوئی ادھر اُدھر جاتا ہے تو اسکی نگرانی کا کاغذ ساتھ ساتھ جاتا ہے، لیکن کوئی خیال منافرت یا عداوت اسمیں شامل نہیں ہوتا۔

ترک قوم اجنبی تنقید کا بڑا خیال رکھتی ہے اور اسی لئے یورپ کے تمام اخبار وہاں نہایت شوق اور دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں اور غور کیا جاتا ہے کہ انکی اصلاحات جدیدہ کے متعلق دنیا کیا خیال ظاہر کر رہی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا، ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں اپنے اوپر اعتماد ہوتا ہے اور سیرت کی اس مضبوطی کے ساتھ ہر امر میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ترکی کا موجودہ انقلاب ہر چند ایک شخص کی کوششوں کا نتیجہ ہے، لیکن چونکہ اب سارا ملک سمجھ گیا ہے کہ ترقی کا راز کیا ہے اور انکا ملک کیونکر ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش چل سکتا ہے اس لئے وہاں اب ردعمل (Reaction) ممکن نہیں، اور افغانستان کا سا حشر اسکا کبھی نہیں ہو سکتا۔

زمانہ حال کے قارونوں کا محلہ

اسوقت تمام دنیا میں نیویارک سے زیادہ دولتمند شہر کوئی نہیں۔ لیکن شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ نیویارک کی یہ شہرت صرف اس ایک محلہ یا سڑک سے قایم ہے جو پارک ایونیو (Park avenue) کے نام سے معروف ہے اور جہاں کے خاندانوں کی دولت و ثروت بالکل اسی طرح میراثی چلی آرہی ہے، جس طرح جسم انسانی کے وظایف الاعضاء۔ معدنیات کے بادشاہ، کہربا کے مالک، فلم سازی کے قابض، بنکوں کے قطب، صنعت و حرفت کے خدا، الغرض ان تمام مشینریوں کے انجن جنسے دنیا کی دولت و ثروت پر قبضہ کیا جا سکتا ہے، اسی محلہ میں قایم ہیں اور انہیں کے اشارے پر عالم کی تجارت کا مد و جزر منحصر ہے۔

برطانیہ عظمیٰ جسکی مملکت میں کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا ۶۲ لاکھ پچاس ہزار ۵ لکھ پتی رکھتا ہے، لیکن پارک ایونیو کی ۳ میل جگہ میں ۵۰۰۰ خاندانوں

اور ۲۰ ہزار کی آبادی کے اندر دو ہزار سے زیادہ لکھ پتی پائے جاتے ہیں۔
یہ لوگ اپنے محلوں میں رہتے ہیں یا ایسے کمروں میں جن کا کرایہ ۱۰۰ ڈالر ماہوار سے ۲۵۰۰۰ ڈالر سالانہ تک ہے۔ یہاں کے امرا کی ایسوسی ایشن کا بیان ہے کہ اس کے ممبروں کی ثروت کا اوسط ۵۰ ارب ڈالر ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ان خاندانوں نے ۲۸ کروڑ ڈالر اسباب تعیش کی فراہمی میں صرف کئے۔ پھر چونکہ یہاں کی دولت، یہاں کا صرف، اور یہاں کی آبادی ۲۵ فی صدی کے حساب سے بڑھ گئی ہے، اس لئے ۱۹۲۹ء کے لئے ۴۲ کروڑ ڈالر صرف کا اندازہ کیا گیا ہے، یعنی فی خاندان ۴۸ ہزار ڈالر۔ نیویارک کی کل آبادی کے لحاظ سے اس محلہ کی آبادی ایک فی صدی کی ۱/۴ ہے لیکن اس کا صرف ۲ ۲/۵ گنا زاید ہے اس رقم سے جو سارے شہر کی تعلیم کے لئے ۱۹۲۸ء میں درج بجٹ کی گئی تھی۔ آبادی کے لحاظ سے ان لوگوں کی اہمیت کچھ نہیں ہے، لیکن ۲۶-۱۹۲۵ء میں جو رقم تمام ملک کے ابتدائی و ثانوی تعلیم کے لئے منظور کی گئی تھی اس کے ۱/۵ حصہ کے برابر انہوں نے تاجروں کو دی۔

اوسط سالانہ خرچ یہاں کے ہر خاندان کا ۱۹۲۹ء کے لئے، ۲ ہزار ڈالر اندازہ کیا گیا ہے، یعنی یہ سارا محلہ ۱۹۲۹ء میں ۱ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر غذا اور لباس پر صرف کریگا جو ایک لاکھ کلرکوں کی سالانہ تنخواہ ہے۔

تفریح اور سیر و سیاحت پر ۱۸ ہزار ڈالر فی خاندان یا ۹ کروڑ ڈالر تمام خاندانوں پر صرف ہوگا۔ علاوہ اس کے ۱۴ کرور ۵۰ لاکھ کرور ڈالر پھول، عطر، خیرات وغیرہ پر صرف ہوں گے۔ شراب کے مصارف کا اندازہ ایک کرور ۵۰ لاکھ ڈالر ہے۔

چینی انسائیکلوپیڈیا چینی انسائیکلوپیڈیا کا نام "چن ٹن کوچین ٹوشو چی چنگ" ہے اسکی پچاس ہزار جلدیں ہیں جن کا وزن ایک ٹن پندرہ پندرہ ہنڈرویٹ ۸۰ پونڈ ہے۔ حال ہی میں اسکا ایک سٹ ملگال یونیورسٹی کی گسٹ چینی لائبریری نے مول لیا ہے۔ یہ گویا دوسرا سٹ ہے جو چین سے باہر مول لیا گیا ہے، پہلا لندن کی برٹش میوزم نے لیا تھا۔ یہ انسائیکلوپیڈیا ۱۶۹۶ء اور ۱۷۲۶ء کے درمیان مرتب کی گئی تھی اور انسائیکلوپیڈیا برٹانکا سے چہار چند مواد اسمیں موجود ہے۔ اور کثرت سے تصاویر دی گئی ہیں۔

نفیس سرمہ

نہایت مقبول، خوش ذایقہ، خوش رنگ، خوشبودار اور بے ضرر قیمت فی سیر قسم خاص عہ ۱۲ قسم اول عہ قسم دوم عہ
نفیس سرمہ | جالا، دھند، ضعف بصر غرض آنکھ کے تقریباً تمام امراض کیلئے اکسیر مستقل استعمال بصارت کو بڑھاتا اور چشمہ کی ضرورت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قیمت فی تولہ عہ

ملنے کا پتہ **شبیر حسین اینڈ سنز مارہرہ ضلع ایٹہ (یو۔پی)**